ماہ نامہ ماہِ نور دہلی

حسب فرمائش
Choksi Brothers & Sisters
چوکسی برادرس اینڈ سسٹرس

نوٹ: رسالے کے مستقل قارئین اس جانب ضرور توجہ دیں کہ اگر ان کی ممبری فیس ختم ہوگئی ہو تو ادارہ کو جلد از جلد بذریعہ منی آرڈر روانہ کردیں تا کہ ان کی ممبری بحال رہے۔

مراسلت و ترسیل زر کا پتہ

ماہ نامہ ماہِ نور
419، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی-110006

MAAH-E-NOOR Monthly
419, Urdu Bazar, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi - 110006

E-mail:mahenoormonthly@gmail.com, Website : www.abulghaus.com

Printer, Publisher & Owner
SYED ABUL HASAN

Published at:
2229, Star Offset Printing Press
Ahata Hajjan Bi, Rodgran, Delhi-6

Published from:
419, Urdu Bazar, Matia Mahal,
Jama Masjid, Delhi - 110006

قیمت فی شمارہ	:	12روپے
قیمت سالانہ	:	150روپے
بیرونِ ممالک	:	20ڈالر
لائف ٹائم ممبر شپ	:	5000روپے
// // بیرون ممالک	:	300ڈالر

فہرست مضامین

خصوصی موضوع:
اتحادِ امت: تفہیم وتجزیہ
(دوسری قسط)

محمد ارشاد عالم نعمانی

تحفظِ عصمتِ خواتین، اسباب اور قانون !!!

دہلی سمیت ملک کے دیگر صوبے و اضلاع میں عورتوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات روز روز بڑھتے ہی جارہے ہیں۔ حال ہی میں راجدھانی دہلی میں ایک چلتی بس میں گینگ ریپ کی واردات نے پورے ملک کو دہلا کر رکھ دیا۔ اس واردات کی گونج سڑک سے سنسد تک سنائی دے رہی ہے۔ عام شہری سڑکوں پر اُتر آئے جب کہ پارلیمنٹ میں بھی اس واقعہ کی سخت مذمت کے ساتھ ساتھ مجرمین کے خلاف سخت ترین کارروائی کا مطالبہ کیا گیا۔

واقعہ کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ ۱۶/جنوری ۲۰۱۳ء کو پری میڈیکل کی ایک ہونہار طالبہ اپنے دوست کے ساتھ تقریباً نو بجے رات میں اپنے جائے قیام پر لوٹنے کے لیے ایک پرائیویٹ بس میں سوار ہوئی۔ موصولہ خبر کے مطابق اس میں پہلے سے موجود چھ افراد نے اس کے ساتھ اجتماعی عصمت دری کا معاملہ بھی کیا اور اسے بے تحاشا زدوکوب بھی کیا، جس کے نتیجے میں واردات کے دس دنوں کے بعد مظلومہ موت وحیات کی کشمکش جھیلتے ہوئے فوت ہوگئی۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ آئے دن عصمت دری کے واقعات ہوتے رہتے ہیں، جن میں صرف اجتماعی عصمت دری کے واقعات ہی اخباروں کی سرخیاں بن پاتی ہیں اور نہ جانے اس طرح کے کتنے لاتعداد حادثے پولیس والوں کی مٹھیوں میں ہی دفن ہوجاتے ہیں اور متاثرہ لڑکیاں یا تو خودکشی کرلیتی ہیں یا پھر معاشرے میں گھٹ گھٹ کر زندگی گزارنے پر مجبور ہوجاتی ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ پولیس میں درج کیے گئے جرائم میں آبروریزی دوسرے جرائم کے مقابلے میں سب سے تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ اس میں سزا دوسرے جرائم کے مقابلے میں بہت کم دی جاتی ہے۔ قومی جرائم ریکارڈ بیورو کے اعداد وشمار کے مطابق حکومت کا کہنا ہے کہ ۲۰۱۰ء میں آبروریزی کے ۲۰ ہزار ۲۶۲ مقدمے درجے کیے گئے جب کہ ۲۰۱۱ء مقدمات درج ہونے کی تعداد اس سے چار ہزار زیادہ ہے۔ ناقابلِ بیان بہیمانہ اور ناقابلِ برداشت انسانیت سوز اجتماعی عصمت دری کی خبر جیسے ہی میڈیا میں آئی ملک کے چہار جانب خصوصاً دہلی میں سخت احتجاج ومظاہرہ کا سلسلہ شروع ہوا اور مجرمین کے لیے پھانسی، سنگساری یا نامرد بنا دیئے جانے جیسے سزا سے کم پر مشتعل عوام کسی بھی طرح راضی نہیں۔ یہ مطالبہ اس قدر شدت سے بڑھا کہ حکومت موجودہ قانون میں ترمیم کے لیے غور کرنے پر مجبور ہوئی۔ یہاں ایک بڑا سوال یہ بھی ہے کہ ایسے بھیانک اور گھناؤنے واقعات کو روکنے کے لیے سخت اور عبرتناک سزائیں جن کا مطالبہ بڑی شدت سے عوام کی جانب سے کیا جارہا ہے، کون دے گا؟

موجودہ حالت تو یہی ہے کہ کسی غریب یا کمزور طبقے کی شکار ہونے والی متاثرہ کی شکایت درج ہی نہیں کی جاتی۔ بعض معاملوں میں یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کوئی متاثرہ جب آبروریزی کی شکایت تھانے میں درج کرانے گئی تو تھانے میں ہی دوبارہ آبروریزی کا شکار ہونا پڑا۔ معاملے وہی درج کیے جاتے ہیں جب اوپر سے دباؤ ہو یا معاملہ کسی اثر ورسوخ والے کا ہو۔ ایسے میں بھلا کیا امید کی جاسکتی ہے کہ سخت سزاؤں کے قانون بنا کر ہم اس بیماری کو دور کرسکتے ہیں؟

میرے خیال سے حالیہ مجرمین کے خلاف عوام سخت ترین سزا کا مطالبہ بھی اگر دیکھا جائے تو بے جا نہیں ہے، جس طرح دردناک انداز میں یہ واردات انجام دی گئی ہے وہ کسی بھی حساس انسان کا دل پارہ پارہ کرنے کے لیے کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہزاروں واردات اس طرح کی آئے دن ہوتی رہتی ہیں، لیکن اس بار عوام جذبات پر قابو نہیں رکھ سکی اور اپنے احتجاج ومظاہرے اور مطالبے سے یہ ثابت کردیا کہ اب وہ مزید اس طرح کی انسانیت اور اخلاقیات سوز حرکات کو کسی بھی طرح برداشت نہیں کرسکتی۔ چنانچہ مسلسل احتجاج کے نتیجے میں حکومت ہند بھی اس طرح کے جرائم میں ترمیم قانون کے متعلق غور کر رہی ہے۔ لیکن نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ قانون کو جس آزادی سے یہاں توڑا جاتا ہے، اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے، اتنی اہمیت اسے قائم رکھنے پر نہیں دی جاتی ہے۔ یعنی قانون کو چاہے جتنا بھی سخت بنا دیا جائے مگر جب تک اس کا قانون کا نفاذ صحیح ڈھنگ سے ایماندارانہ طور پر نہ ہو سختی کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہوگی۔

یہاں اس حقیقت کا بھی اظہار ضروری ہے کہ زنا یا اس طرح کے جرائم کے سدّ باب کے لیے سخت سے سخت تر قانون بنایا جانا چاہیے لیکن ہمیں اس پہلو کو بھی نظر انداز نہیں کرنا ہوگا کہ اس طرح کے جرائم کے لیے پہلے سے بھی سخت سے سخت قانون ہونے کے باوجود آخر کیا وجہ ہے کہ جرائم پر کنٹرول ہونے کے بجائے آئے دن اس کی شرح بڑھتی جارہی ہے؟ حیرت تو اس وقت ہوئی جب موجودہ دردناک سانحے کے نتیجے میں پورا ہندوستان مشتعل ہوگیا اور مجرمین کے لیے پھانسی کے مطالبے سے کم پر راضی نہیں ہورہے تھے اور یہ سارے احتجاجات ومظاہرے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذریعے پورے کوریج کے ساتھ نشر اور پرنٹ ہورہے تھے، اس کے باوجود جب صبح آپ اخبار کا مطالعہ کرتے ہیں تو دسیوں اس طرح کی مزید خبریں اخبار میں پڑھنے کو مل جاتی ہیں کہ آج فلاں علاقے میں فلاں جگہ عصمت دری اور زنا بالجبر کے واقعات ہوئے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ دلّی جہاں یہ اندوہناک واقعہ ہوا اور جہاں کی عوام پورے طور سے سڑکوں پر اُتر

آئی۔ یہاں بھی بلاخوف اس طرح کے واقعات انجام پذیر ہوئے جس کی رپورٹ بھی اخبارات میں چھپی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنے سخت عوامی رویے کے باوجود آخر اس طرح کے واقعات پر کنٹرول کیوں نہیں ہو پا رہا ہے۔ اس کی ایک وجہ میری نگاہ میں یہ بھی ہے کہ مرض کے ختم ہونے یا ختم کیے جانے کے تعلق سے تو عوام کے اندر بیداری آرہی ہے، لوگ ایسے واقعات کے سامنے آنے کے بعد واقعات پر کنٹرول کی آواز تو اُٹھاتے ہیں لیکن اس اسبابِ واقعات کے روکنے کے حوالے سے اب تک وہ بیداری نہیں آسکی ہے جو آنی چاہیے۔ موجودہ واقعات کے پس منظر میں اگر گہرائی سے جائزہ لیا جائے تو حقیقت کا برملا انکشاف ہوتا ہے کہ حالیہ اندوہناک حادثے میں بھی مجرمین نشے میں دُھت تھے اور اپنے جذبات کی تسکین کے لیے انھوں نے غیر اخلاقی جرم کے ساتھ غیر انسانی رویے کا بھی بڑی بے دردی و بے رحمی سے مظاہرہ کیا، اور اس طرح کے واقعات کی تفصیلات میں اگر آپ جائیں گے تو بیشتر واقعات میں اس حقیقت کا انکشاف ہوگا کہ ان جرائم و وارادات کے پیچھے نشیلی اشیا کے استعمال کا زیادہ دخل ہوتا ہے۔ یہ خوش آئند بات ہے کہ اس طرح کے جرائم کے کنٹرول کے لیے سخت سے سخت قانون بننا چاہیے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس پہلو پر بھی غور ہونا چاہیے کہ ان وارادات کے پیچھے کن اسباب وعوامل کا دخل ہوتا ہے۔ اس پر بھی کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ جب تک اسباب پر کنٹرول کے تعلق سے غور نہیں ہوگا، وارادات سے تحفظ کا خواب دیکھنا بے معنی ہوگا۔

اجتماعی زیادتی کے اس گھناؤنے واقعہ پر ہندوستانی سماج کی طرف سے جس طرح شدید ردّ عمل سامنے آیا اور متاثرہ لڑکی کے ساتھ بے پناہ پیار، محبت اور ہمدردی کے جن جذبات کا اظہار کیا گیا اس سے یہ بھی حقیقت سامنے آرہی ہے کہ سماج اب دھیرے دھیرے فطری انسانی تقاضوں کی طرف واپس آرہا ہے۔ لوگ اب بیدار ہو رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سماج کو کھلے بازار کے عام کلچر میں اسی حساسیت سے سوچنا ہوگا۔ غور کرنا ہوگا، کیونکہ اس طرح کے واقعات کے پیچھے کہیں نہ کہیں کھلے بازار کے عام کلچر کا بھی دخل ہے۔

اس طرح کے واقعات کے پیچھے کھلے عام بازار کلچر کے اثرات کا انکار بھی ایک دیدہ شنیدہ حقیقت سے چشم پوشی ہوگی۔ کلچر اور فیشن کے نام پر جسم کی نمائش آج معاشرے کے لیے ناسور بنتا جا رہا ہے اور اس کے خلاف آواز اُٹھانے والے کو فرسودہ خیال تصور کیا جاتا ہے۔ طرفہ تماشہ یہ کہ اسے مذہب کے تحفظ کا سوتیلا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس حقیقت سے کیسے انکار ہوسکتا ہے کہ اچھے لباس، اچھے پہناوے اور پردے کا اہتمام معاشرے کی اخلاقیات کا معاملہ ہے۔ آزادیِ نسواں کے نام پر نیم برہنہ لباس کی نمائش اور اختلاطِ مرد وزن کی حوصلہ افزائی مہذب سماج اور باشعور طبقے کی طرف سے نہ کبھی کی گئی ہے اور نہ کی جاسکتی ہے۔

سماج کی یہ بیداری نہایت خوش آئند ہے۔ جب سماج بیدار ہوگا تو اس طرح کے جرائم پیشہ افراد کے حوصلے پست ہوں گے، ورنہ مجرم سینہ ٹھونک کر گھومتے نظر آتے ہیں اور متاثرہ احساسِ جرم کی وجہ سے منہ چھپاتی نظر آتی ہے۔ جب کہ اس طرح کے معاملات میں ہونا یہ چاہیے کہ مجرم کو کہیں منہ چھپانے کی بھی جگہ نہ ملے اور متاثرہ سے سبھی کو ہمدردی ہو۔ ابھی حال ہی میں سماج کی جانب سے جو بیداری ریلی مہم نکلی ہے اگر اسی طرح کا رویہ آگے بھی قائم رہا تو ایسے احساس کو کچلنے میں بہت حد تک مدد فراہم ہوگی۔

خواتین کے ساتھ چھیڑ خانی اور عصمت دری کے تعلق سے یہ حقیقت بھی پوشیدہ نہیں رہنا چاہیے کہ مغربی تہذیب اور فیشن کے نام پر جس طرح عام بے حیائی اور فحاشی کو فروغ دیا جا رہا ہے اور بڑی تیزی کے ساتھ ہندوستانی معاشرہ جس کی اپنی ایک تہذیب، ثقافت اور کلچر ہے اپنا رہا ہے، اس نے یہاں کے سماجی نظام کو بالکل کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ موبائل، انٹرنیٹ اور سوشل نیٹ ورکنگ کے اس دور میں اخلاقیات کے بندھن تیزی کے ساتھ ٹوٹ رہے ہیں۔ مشترکہ خاندان بکھر رہا ہے۔ جوائنٹ فیملی سسٹم خواب بن کر رہ گیا ہے۔ لڑکیوں میں آزاد رہنے اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے اور جسم کو ملکیت سمجھ کر اس کا من چاہا استعمال کرنے کی ذہنیت کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ مغربی تہذیب کے تاثر مخلوط تعلیم گاہوں کے منفی اثرات نے سماج کی شفافیت کو کھوکھلا کر کے رکھ دیا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں یہ کہنا شاید غلط نہیں ہوگا کہ بچیوں کی عصمت اور ناموس سے جانے اور انجانے طور پر خود ان کے والدین بھی کھلواڑ کر رہے ہیں۔ لہٰذا ملک و معاشرے میں بڑھتی ہوئی بے راہ روی، بے شرمی، بے حیائی، عصمت دری اور زنا جیسے امراض کی روک تھام کے لیے والدین کو اپنے بچے اور بچیوں پر بھی کڑی نگاہ رکھنی ہوگی اور سماج کے سنجیدہ افراد بالخصوص حکومتی اور ثقافتی اداروں کے ذمہ دار افراد کو عریانیت اور بے حیائی کے خلاف اخلاقی مہم چلانی ہوگی۔ تاکہ ہمارے سماج میں ہماری ماں، بہن، بیٹی اور بہو کے عزت و آبرو محفوظ رہے۔ نوجوانوں کو صحیح راستے پر گامزن کرنے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ کلچر میں لگے مغربی تہذیب کے گھن کا خاتمہ کیا جائے۔ جبھی ہمارا معاشرہ اخلاقی اور انسانی انحطاط سے بچ سکتا ہے اور اس طرح کے تیزی سے بڑھتے واقعات پر بند باندھا جاسکتا ہے۔ بہت تیزی کے ساتھ معاشرے میں شراب و منشیات کا استعمال عام ہو رہا ہے، اس پر اربابِ علم وفن اور ذمہ دارانِ حکومت کو غور و فکر کرنا ہوگا۔

عصمت دری کے واقعات پر کنٹرول کے لیے یہ ضروری ہے کہ واقعات کے ساتھ ساتھ اس کے اسباب و علل پر بھی نگاہ رکھی جائے اور عصمت دری کے بنیادی اسباب کے ازالہ کی بھی ملک گیر تحریک چلائی جائے۔

ای میل: irshadnomani92@gmail.com، موبائل: 09555584637

حمد باری تعالیٰ

حمدِ خدا سے اپنے لب کو سجائیں ہم
خالق کو کر کے راضی جنت میں جائیں ہم

توفیق دے ہمیں میرے مولیٰ جہان میں
روزی حلال و پاک کھائیں کمائیں ہم

مدفن ہمارا یاخدا ایسی زمین ہو
جس جا نبیِ پاک کا فیضان پائیں ہم

عثمان کی غنا کا صدقہ جو ہو عطا
راہِ خدا میں اپنا سب کچھ لٹائیں ہم

اس بے کس ومظلوم کی فریاد تُو سن لے
تیرے سوا جہان میں کس کو پکاریں ہم

جملہ حوادثات سے محفوظ رکھ مجھے
بصد سکون زندگی اپنی گزاریں ہم

نوریؔ کھلا ہے بابِ سخا اس کا ہر گھڑی
چلیئے! مدینہ ابرِ کرم میں نہائیں ہم

نعت پاک

یادِ نبی میں آنکھ سے آنسو بہا کے دیکھ
کُوئے نبی کی خاک کو سرمہ بنا کے دیکھ

رشکِ جناں بنے گی لحد تیری بالیقیں
حبِّ نبی کو دل میں تو اپنے بسا کے دیکھ

تجھ کو خیالِ خلد نہیں آئے گا کبھی
طیبہ کی وادیوں میں تو اک بار جا کے دیکھ

ابرِ کرم وہاں پہ برستا ہے ہر گھڑی
دربارِ مصطفیٰ میں اے عاصی تو جا کے دیکھ

دستِ طلب سے پیشتر ایقان شرط ہے
داتا کی بارگاہ ہے کاسہ بڑھا کے دیکھ

بیمار قلب وروح کی تریاق ہے جناب!
ہر قسم کے مریض کو زمزم پلا کے دیکھ

اترے گا یہ خمار نہ تیری حیات سے
جامِ وفا کو شیخ کی نظروں سے پی کے دیکھ

نسبت بڑی عظیم ہے سن لو اے دوستو!
نوری کے پیشوا سے ذرا لو لگا کے دیکھ

مولانا عبدالقادر نوری بھرائچی، استاذ الجامعۃ العربیہ اہل سنت رضاء العلوم، ممبئی

مولانا عبدالقادر نوری☆

اسلام: عدل ومساوات کاعلمبردار

اسلام ایک عالمگیراورآفاقی مذہب ہے جس نے ذات پات، رنگ ونسل اورملک وقوم کی بنیاد پرانسان کی تفریق کویکسر مسترد کردیا ہےاورہمیں درس دیا کہ اسلامی قوت کا مقصد حکمرانی اورشہنشاہی نہیں بلکہ اللہ کی زمین سےفتنہ اورفساد کا خاتمہ کرکےامن وسکون کوبحال کرنا جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ.

ترجمہ: اوران سےلڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے۔

ہرمسلمان پرضروری ہے کہ وہ امر بالمعروف کافریضہ انجام دیتے ہوئے شرم وحیاکے پاکیزہ الفاظ کوزندگی میں نافذ کرکے عالم انسانیت کوبےحیائی اورفحاشی کےدلدل سےنکال کردینِ اسلام کی رحمت بھری چھاؤں میں لائے۔ ایک سچے مسلمان کی یہی پہچان ہے کہ وہ ایمانداری، حق گوئی، راست بازی، پرہیزگاری، فرض شناشی، ضعیفوں کی حمایت، مصیبت زدوں سے ہمدردی، مظلوموں کی مدد محتاجوں کی اعانت، عدل وانصاف کا قیام، حقوق اللہ وحقوق العباد کوسمجھنے اور بجالانے کی صلاحیت اورایسے عادت واطوار کا حامل ہوجسے فطرت سلیمہ قبول کرتی ہواوروہ خودنیک بن جانے پرقانع نہ ہو بلکہ دوسروں کوبھی نیک بنانے کی سعی پیہم کرے اور دوسرے انسانوں کوبھی فسادانگیزی، فتنہ پردازی، اور بدکاری کی راہ سے نکال کرنئی روشنی، نئی سوچ اورنئی فکرعطا کرے۔

اسلام ایک کامل فکری، عملی، تہذیبی، تمدنی نظام عطا کرتا ہے جوانسان کی دنیوی اوراخروی زندگی کوسنوارتا ہےاورنجات وفلاح کے ابدی راستے سے ہمکنار کرتا ہے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ کا فرق مٹا کر کارزارِ حیات میں ایک دوسرے سے دوش بدوش مصروف عمل رہنے کا درس دیتا ہے۔

اسلام نے انسان کومن حیث الانسان اتنا سربلند کردیا ہے ایک فرد کی بربادی کوپوری دنیا کی بربادی کا مترادف قرار دیا ہے۔ مذہب اسلام ابتدا ہی سےامن وشانتی کا داعی اورانسانیت کاعلمبردار رہا ہے، اسلام نے ہردور میں اخوت، بھائی چارہ اورانسانیت نوازی کی تعلیم سےآراستہ کرکےامن و امان، چین وسکون کےساتھ زندگی بسرکرنے کا درس دیا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک خون ناحق کوپوری انسانیت کاخون بتایاہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًابِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الارضِ فَكَاَنَّمَاقَتَلَ النَّاسَ جَمِيعاوَ مَن اَحْيَاهَافَكَاَنَّمَااَحْيَاالنَّاسَ جَمِيعا (سورۂ مائدہ: آیت ۳۲)

ترجمہ: جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان کے بدلے یا زمین میں فساد کیے تو گویا اس نے سب لوگوں کوقتل کیا اور جس نے ایک جان کوجلایا گویا اس نے سب لوگوں کوجلایا۔

مگر افسوس صد افسوس جس مذہب کی تعلیمات اس قدر اعلیٰ ہوں اس کو دہشت گردی سےمنسوب کرنا کس قدر ناانصافی اورظلم ہے؟ اسلام اور دہشت گردی دو متضاد چیزیں ہیں اس لیے جہاں اسلام ہوگا وہاں دہشت گردی نہیں ہوگی اور جہاں دہشت گردی ہوگی وہاں اصولِ اسلام نہیں ہوگا، جس طرح رات اور دن کا اجتماع محال ہے اسی طرح اسلام اور دہشت گردی ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتے مگر اس کے باوجود دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر دہشت گردی کومسلمانوں کی صفت بتائی جاتی ہے۔ تعجب اس بات پر ہے کہ مغربی اقوام، جن کا محبوب مشغلہ ظلم وستم، بدعہدی، ناانصافی، دہشت پسندی، قتل وغارت گری اور ناروا حملہ ہے، بیواؤں کی آہوں اور مظلوموں کےخون سےجن کا دامن داغدار ہے وہ کس منہ سے مسلمانوں کوشدت پسند ظالم اور مدارس اسلامیہ کودہشت گردی کا مرکز قرار دیتے ہیں۔

اب ہم جہاد اسلامی کے اولیں دوراور پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم کا خاکہ نظر قارئین کرتے ہیں تاکہ اسلام اور دہشت گردی کا واضح فرق سامنے آئے۔

۲ھ سے لے کر ۹ھ تک جنگ بدر سے لے کر غزوۂ تبوک تک آٹھ سال کے اندر ستائیس غزوات وسرایا میں صرف ۱۹۱۸ افراد کی جانیں گئیں اور کفار ومشرکین کے ۶۵۶۵ افراد جنگی قیدی بنائے گئے جن میں سے ۶۳۴۷ قیدیوں کوحضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد فرمادیا۔ اب آپ اسلام کو دہشت گردی کا نام دینے والوں کو دیکھیے کہ انھوں نے حصول دولت اوراقتدار کے لیےصرف پہلی جنگ عظیم میں ۷۳،۳۲،۰۰۰،اور دوسری جنگ عظیم میں ۴،۳۴،۴۳،۰۱۱ افراد کو خاک وخون میں تڑپا کر وحشت و جارحیت کی انتہا کردی اب ان لوگوں کو چاہیے کہ اسلامی جہاد کے پاکیزہ مہم کو دہشت گردی سے تعبیر کرنے کے بجائے اسلام کے حقیقی، پرامن، انسانیت نواز اصولوں پرسرخمیدہ کردیں۔

مذہب اسلام ایک واحد دین ہے جہاں انسان شناشی کی تعلیم، ہمدردی، رواداری کی تلقین، صداقت ودیانت کی شجرکاری، الفت ومحبت کی آبیاری، بیماروں کی مزاج پرسی، اورغمخواروں کی غمخواری کی جاتی ہے۔ اسلام کی تعلیماتِ

☆استاذ: الجامعۃ العربیۃ اہل سنت، رضاءالعلوم، سنی محمدی جامع مسجد، خیرانی روڈ ساکی ناکہ، ممبئی-۷۲

عدل ومساوات انسانی حریت اور انسانی برابری پر مبنی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَـا اَیُّھَاالـنَـاسُ اِنّـا خَـلَـقْنَاکُمْ مِنْ ذَکَرٍ واُنْثٰی وَ جَعَلْنَاکُمْ شُعُوْبًا وَ قَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا اِنّ اَکْرَمَکُمْ عِندَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ .

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد وعورت سے پیدا فرمایا، تمھیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو۔ بیشک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

صاحب لولاک رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَا فَـضـل لِعربیٍ عَلیٰ عَجَمِیٍ وَلَا لِعَجَمِیٍ عَلی عربیٍ ولاَ لِاَبْیَض عَلیٰ اَسود وَلَا لِاَسْوَد عَلیٰ اَبْیَض اِلَّا بالتَّقْویٰ.

ترجمہ: کسی عربی کو عجمی پر، عجمی کو عربی پر، گورے کو کالے پر کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر ہاں فضیلت صرف تقویٰ اور طہارت کی وجہ سے ہے۔

اور حجۃ الوداع کے موقع پر میرے آقا نے وحدت انسانی کے لیے ایک اہم منشور عطا فرمایا کہ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے ہیں:

کلکم بنو آدم و آدم خلق من تراب .

اور دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہے:

الـخـلـق کـلـھم عیالُ اللّٰہ فاحبُّھم الی اللّٰہ اَنفعھم بعیالِہٖ .

تمام مخلوق اللہ کی عیال ہے اور تمام مخلوق میں خدا کا سب سے پیارا وہ ہے جو اس کے کنبے کو زیادہ نفع پہنچائے۔ (اسلام اور امن عالم ص ۳۵)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: وہ بندہ جسے اللہ تعالیٰ رعیت کا والی بناتا ہے اور وہ اس حالت میں مرتا ہے کہ وہ اس رعیت کے ساتھ دھوکہ اور فریب کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرما دیتا ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالی عنہ ارشاد فرماتے ہیں: میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی وہ فرمانروا جو ظالم وخائن ہو، اور وہ شخص جو دھوکہ کرنے والا اور دین کی حدوں کو توڑنے والا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بلا وجہ جنگ کرے یا تعصب کی طرف بلائے یا تعصب کی بنا پر غصہ کرے وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ (ابن ماجہ)

اب آپ فتح مکہ کا واقعہ نگاہوں کے سامنے لائیے کہ سرکار علیہ الصلوۃ والسلام اپنے جاں فروش مجاہدین کے جھرمٹ میں نہایت ہی شان وشوکت اور رعب ودبدبہ کے ساتھ مکۃ المکرّمہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ کفار مکہ کا دل زیروزبر ہو رہا تھا کہ نہ جانے ہمارے ساتھ آج کیا سلوک کیا جائے گا؟ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس دس ہزار صحابہ کی طاقت موجود ہے۔ اس وقت ایسے درندے بھی حاضر تھے جنھوں نے حضرت بلال کو پتھر مار مار کر تڑپایا تھا۔ ایسے بدبخت اور سفاک کے ہمنوا بھی تھے جنھوں نے حضرت سمیہ کی شرمگاہ پر برچھی مار کر شہید کر دیا تھا۔ یہاں پر ان گستاخوں کی جماعت بھی موجود تھی جنھوں نے آپ کی گزرگاہوں پر کانٹے بچھائے تھے۔ ایسے جابر وظالم بھی موجود تھے جنھوں نے اپنی چیرہ دستیوں اور ستم رانیوں سے شرف انسانیت کی دھجیاں اڑائی تھیں۔ ابوسفیان بھی موجود ہیں جنھوں نے نہ جانیں اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف کتنی سازشیں رچیں۔ اگر آپ چاہتے تو ہر ایک سے ایک ایک کر کے بدلہ لیتے مگر رحمت عالم کا رحمت بھرا پیغام دیکھو:

اِذْھَبُوْا فَـاَنْتُـمُ الـطلقاءُ. جاؤ تم سب آزاد ہو آج تم پر کوئی سرزنش نہیں آج رحم وکرم کا دن ہے۔

پھر یہ اعلان فرماتے ہیں: جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو وہ امان میں ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہو وہ امان میں ہے اور جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے وہ مامون ہے۔

جب آپ دنیا کی قوموں پر ناقدانہ نظر ڈالیے تو آپ کو حسرت وحیرت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہاں! اسلام وہ تنہا مذہب ہے جہاں عدل وانصاف کا حقیقی وجود ملتا ہے اور اس کے گھنے سائے میں ستم رسیدہ انسان کو دائمی سکون نصیب ہوتا ہے لیکن ہمارے ہندوستان میں اگر جرم کا ارتکاب کوئی برہمن کرے تو غیر معمولی نرمی اور غیروں کے لیے بڑی وحشیانہ سزائیں ہیں۔ اسی طرح اگر قاتل برہمن ہو اور مقتول دوسرے طبقہ کا ہو تو قاتل پر صرف کفارہ کی سزا ہے۔ اسی طرح دیگر ممالک کا حال ہے۔ دنیا کی نظر میں قانون سب کے لیے یکساں نہیں بلکہ نسب اور قابلیت کے لحاظ سے بھی قوانین ہوتے ہیں اور حکمران طبقہ کے لیے کوئی قانون نہیں بلکہ یہ لوگ خود قانون ہوتے ہیں۔ مگر اقلیم عدل و انصاف اور کشور فضل واحسان جان ایمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو دیکھو کہ آپ اپنی جان اقدس کو، اپنے خاندان کو، اپنے اقربا کو قانون شرعی سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ علامہ بدرالقادری مصباحی مدظلہ العالی اپنی کتاب 'اسلام اور امن عالم' ص ۱۰۳ پر تحریر فرماتے ہیں:

''غزوۂ بدر کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کی صفیں درست فرما رہے ہیں۔ آپ کے دست مبارک میں لکڑی کی ایک چھڑی ہے۔ ایک صحابی صف میں برابر نہیں تھے، آپ نے انھیں چھڑی سے بغل میں کچوکا لگایا تا کہ وہ برابر ہو جائیں۔ وہ معلم عدل ومساوات جب بیمار

ہوئے تو آپ نے اعلان عام کیا، اگر کسی کا مجھ پر کچھ ہو تو وہ لے لے۔ وہ صحابی آئے اور کہا: یارسول اللہ! بدر کے روز آپ نے مجھے لکڑی کا کچوکا لگایا تھا جس سے مجھے تکلیف ہوئی تھی میں اس کا بدلہ چاہتا ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلمنے فرمایا: میں حاضر ہوں، بدلہ لے لو۔ صحابی نے کہا: جس وقت آپ نے مجھے کچوکا لگایا تھا میرے جسم پر کرتا نہیں تھا، میں آپ سے اسی انداز میں بدلہ لینا چاہتا ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کرتا اتار کر پہلو اور پشت مبارک پیش کی۔ اس صحابی نے بیتابی سے بڑھ کر پشت رسول اور مہر نبوت شریف کو بوسہ دیا اور کہا: یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، تمنا یہ تھی کہ زندگی میں ایک بار آپ کی مہرِ نبوت کو بوسہ دے کر سامانِ آخرت کروں۔ اس عاشق رسول صحابی کی تمنا کچھ اور تھی مگر قربان جایئے عدل ومساوات کے معلم حقیقی سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم اور نمونہ عمل پر کہ حالت علالت میں ایک شخص کو اس کا حق دینے کے لیے جسد مبارک کو پیش کر دیتے ہیں۔''

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف، اسلامی مساوات کی حقیقی، عملی تصویر اس طرح پیش فرمائی جس کی نظیر سے تاریخ انسانیت نابلد تھی۔ عدل وانصاف کی راہ میں عموما دو چیزیں حائل ہوتی ہیں: (۱) کسی کی بے جا حمایت وطرفداری (۲) کسی سے مخالفت وعداوت۔ کلام الٰہی نے ان دونوں راہوں کو ہمیشہ کے لیے بند فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لیے گواہی دیتے ہوئے چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر۔ بہر حال اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تو خواہش کے پیچھے نہ جا کہ حق سے الگ پڑو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔''

ایک مرتبہ قبیلہ بنی مخزوم کی ایک عورت نے کسی کا زیور چرا لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر حد قائم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ مہاجرین نے حضرت اسامہ کو سفارشی بنا کر بھیجا۔ حضرت اسامہ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر سفارش کی۔ اسامہ کی بات سن کر فرطِ غضب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا۔ فرمایا: اے اسامہ! کیا تو اللہ کے حد کے قیام کے بارے میں سفارش کرتا ہے۔ تم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کو ہلاک کر دیا جس میں کوئی شریف زادہ چوری کرتا تو اس کو معاف کر دیتے اور اگر کوئی ضعیف یا کمزور شخص چوری کا ارتکاب کرتا تو اس پر حد قائم کی جاتی۔ خدا کی قسم! بفرض محال اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔

عدل ومساوات کے حوالے سے معلم کائنات سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت پاک کے آبدار موتی کا ذکر علامہ بدرالقادری مصباحی نے اپنی کتاب 'اسلام اور امن عالم' میں ص ۱۰۵ پر یوں کرتے ہیں کہ:

''حجۃ الوداع کا موقع ہے شمع رسالت کے جلو میں شیدائیانِ اسلام قدسی نفوس صحابہ کرام حج ادا کرنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار کا مجمع ہے۔ مشاعر مقدسہ رسول آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے وجود سے نور علی نور ہیں۔ چاہ زمزم کے گرد حجاج کی آمد ورفت جاری ہے، کثرتِ ہجوم سے زمزم کا پانی گدلا ہو گیا ہے۔ حضور کے چچا عباس بن عبدالمطلب نے حضور کے چہرہ انور پر پیاس کے آثار دیکھے اور غلام سے کہا: سرکار کے لیے گھر کی صراحی میں رکھا ہوا آب زمزم پیش کرو۔ غلام لپکا مگر سید عالم جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے روک دیا اور فرمایا میں گھر کی صراحی کا صاف شفاف پانی پینے کے بجائے حوض زمزم سے پینا زیادہ پسند کرتا ہوں جس سے تمام مسلمان پی رہے ہیں۔''

لاؤ دنیا کی تاریخ سے ایسی شاہکار مثال، ایسا حسین نظام اور ایسا اعلیٰ کردار جو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔ دنیا ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے

بوستان نبوت کے رنگین اور مہکتے پھولوں میں سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت کو بیان کرتے ہوئے علامہ بدرالقادری مصباحی رقمطراز ہیں:

''پورا جزیرۂ عرب قحط میں جل رہا ہے۔ خشک سالی نے انسانوں اور چوپایوں کو دُبلا کر دیا ہے۔ نخلستان اور کھیتیاں چراگاہیں ہیں۔ سبزہ زار سوکھی گھاسوں اور کانٹوں کی آماجگاہ ہو چکی ہے۔ ایسے عالم میں امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی پشت پر غلے اور اناج لاد کر لوگوں تک خود پہنچاتے ہیں۔ شب وروز لوگوں کی خبر گیری کرتے ہیں۔ آپ کا تنومند جسم لاغر ہو گیا ہے۔ کثرتِ مشاغل سے چہرہ پر سیاہی چھا گئی ہے کیونکہ آپ نے اس روز سے کئی دن شکم سیر ہو کر کھانا تناول نہیں فرمایا جب سے قحط کی ابتدا ہوئی ہے۔ اسی زمانے میں آپ اپنے گھر میں داخل ہوتے ہیں۔ اپنے فرزند کے ہاتھوں میں تربوز کی ایک قاش دیکھ کر پرجلال ہو جاتے ہیں۔ آج جب لوگوں کو کھانا اور پانی ملنا دشوار ہو رہا ہے عمر کے گھر میں تربوز کھایا جائے یہ نہیں ہو سکتا۔ بچے کے ہاتھوں سے تربوز لے لیتے ہیں۔''

کیونکہ احساس مسئولیت جو اُن پر رب تعالیٰ کی طرف سے ڈالی گئی ہے وہ اس احساس سے زیر بار تھے اور کہا کرتے تھے کاش! ہم انسان کے بجائے کچھ اور ہوتے کیونکہ انسان ہونا اور اس کے فرائض وذمہ داریوں کا احساس کرنا بہت عظیم امر ہے اور دوسرے مقام پر عدل فاروقی کی جلوہ گری

کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

''رات بھیگ چکی ہے۔ مدینہ کی پوری بستی نور کی چاندنی میں نہا رہی ہے۔ دن بھر کے تھکے ماندے چرواہے اپنے مویشیوں کو ڈیروں پر چھوڑ کر میٹھی نیند لے رہے ہیں۔ امن وسلامتی کا زمانہ ہے۔ شب زندہ دار مقربانِ حق یادِ حق میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کا خلیفہ، مومنوں کا امیر عمر فاروق اپنے فقیرانہ لباس میں مدینہ کے راستوں سے گزر رہا ہے بستی کے ایک حصے میں کچھ آہٹ سی ہوئی شاید کوئی مسافر خیمہ زن ہے، تھکا ماندہ ہوگا۔ ایسا نہ ہو کہ امن وامان والے شہر میں پہنچ کر تھکا ہارا گہری نیند سو جائے اور کوئی اس کا کچھ چرا لے جائے۔ میں باشندگانِ ریاست کے جان ومال اور حدود اسلامیہ کے امن وامان کا ذمہ دار ہوں۔ مجھے اس خیمہ کی نگرانی کرنی چاہیے۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو خیمہ سے کسی کی دردبھری سسکیاں ابھر رہی ہیں اور خیمہ کے باہر ایک مرد کھڑا تھا۔ آپ نے سلام کرکے پوچھا کون ہو؟ مسافر نے بتایا میں ایک دیہات کا رہنے والا ہوں اور امیر المومنین کے پاس اپنی کچھ حاجت لے کر آیا ہوں۔ آپ نے پوچھا خیمہ میں کس کے رونے کی آواز آرہی ہے؟ مسافر نے کہا: آپ اپنی راہ لیجیے، ہر بات پوچھنے کی نہیں ہوتی۔ آپ نے جب بہت اصرار سے معلوم کیا تو مسافر نے کہا: میری بیوی دردِ زہ کی وجہ سے رو رہی ہے اور افسوس کوئی عورت بھی موجود نہیں جو اس وقت اس کی دستگیری کرے۔ آپ فوراً اپنے دولت کدہ پر لوٹ آئے اور اپنی اہلیہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ہمراہ لے کر کچھ غلہ اور کپڑا وغیرہ ساتھ لیا اور اس مسافر کے خیمہ کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت امّ کلثوم کو خیمہ کے اندر بھیجا اور خود خیمہ کے باہر آگ جلا کر کھانا تیار کرنے لگے اور ساتھ ہی ساتھ مسافر سے باتیں بھی کرتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد خیمہ کے اندر سے نومولود کی ننھی آواز گونجی۔ مسافر کو یہ کیا معلوم کہ اس سے خیریت پوچھنے والا، اس کی اہلیہ کی خدمت کے لیے بنت مولائے کائنات کرم اللہ وجہہ اور اپنی اہلیہ کو دایہ کی حیثیت سے پیش کرنے والا اپنی پشت پر غلے اور کپڑے کی گٹھری لاد کر لانے والا اور لکڑیاں جلا کر یہ کھانا تیار کرنے والا مسلمانوں کا وہ باجبروت خلیفہ عمر الفاروق بن الخطاب ہیں جس کے نام سے قیصر وکسریٰ کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ حضرت ام کلثوم نے بچہ کی پیدائش کے بعد خیمہ کی اوٹ سے آواز دی: امیر المومنین اپنے رفیق کو بچہ کی ولادت کا مژدہ سنایئے۔ مسافر نے امیر المومنین کا لفظ سنا اور حیرت واستعجاب کے دریا میں ڈوب گیا۔ خوفزدہ ہو گیا اور آپ سے اپنے پچھلے رویے پر معذرت کرنے لگا۔ آپ نے اسے تسلی دی اور پکا ہوا کھانا زچہ کے لیے حضرت ام کلثوم کے ذریعے بھیجا اور جب وہ کھا چکی تو مسافر کو نہایت شفقت ومروت سے تھپک تھپک کر کھلایا۔ بہت تھکے ہوئے ہو، رات بھر آرام نہ کر سکے اور بیوی کی تکلیف سے بہت فکرمند تھے، کھالو۔ صبح کو میرے پاس آجانا۔ صبح کو مسافر دربار فاروقی میں حاضر ہوا تو آپ نے اس کی حاجت روائی کی اور نومولود کا وظیفہ مقرر کرکے اسے شاد کام کردیا

لاؤ دنیا کی تاریخ حکمرانی سے ایسی شاہکار مثالیں جو حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دور خلافت میں رونما ہوئیں۔ بہترین بات کہی علامہ شفیق جونپوری نے:

شفیق امکان ہے سقراط وجالینوس کا لیکن
زمانہ کر نہیں سکتا ابوبکر وعمر پیدا

یہی لوگ اسلامی نظام کی روح کو اجاگر کرکے دنیا میں عدل ومساوات قائم کرگئے کہ دنیا ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔□□

بقیہ:——عورتوں کے باریک لباس کے نقصانات

ململ آئی۔ آپ نے اس میں سے کچھ حصہ پھاڑ کر دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا اور فرمایا اس میں ایک حصہ پھاڑ کر تم اپنا کرتہ بنالو اور ایک حصہ اپنی بیوی کو دوپٹہ بنانے کے لیے دے دو، مگر ان سے کہہ دینا کے اس کے نیچے اور کپڑا لگالیں تاکہ جسم کی ساخت اندر سے نہ جھلکے۔ (ابوداؤد)

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہو گیا کہ عورتوں کے باریک لباس سے جہاں آخرت برباد ہوتی ہے وہیں معاشرے میں شرم وحیا، حجاب ووفا ختم ہو جاتی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ کچھ دنیاوی نقصانات بھی پائے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر لیڈ بیٹر کی وارننگ:

ڈاکٹر لیڈ بیٹر روحانیت کا بہت بڑا محقق ہے۔ لیڈ بیٹر کے مطابق جس لباس سے نسوانی جسم کی جھلک نظر آئے اس جسم سے میں نے غلیظ اور نسواری لہروں کو نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔ (سنت نبوی اور جدید سائنس)

الٹرا وائیلٹ ریز کے نقصانات:

سورج میں موجود الٹرا وائیلٹ ریز (Rays) سخت گرمی میں جلد اور جسم کے لیے بہت نقصاندہ ہوتی ہے۔ اگر لباس موٹا ہو تو یہ شعاعیں لباس سے باہر ہی رُک جاتی ہیں اور اگر لباس باریک ہو تو یہ شعاعیں جلد کو بہت زیادہ نقصان پہنچاتی ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے آج کل کی عورتیں بہت ہی باریک اور چست لباس پہننے لگی ہیں جس سے بدن کے اکثر اعضا ظاہر ہوتے ہیں اور بدن کی رنگت جھلکتی ہیں اور ستر بھی نہیں ہوتے ہیں۔ عورتوں کو ایسا لباس پہننا قرآن واحادیث کے حوالے سے سخت ناجائز وحرام ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام اسلامی ماں اور بہنوں کو دین اسلام پر کماحقہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! □□

رضوان احمد الثقافی ☆

عورتوں کے باریک لباس کے نقصانات

احادیثِ مبارکہ اور جدید سائنس کی روشنی میں

دین اسلام تمام ادیان میں جامع ترین دین ہے، جو معاشرہ کو ہر طرح کی برائیوں اور فسادات سے بھی بچاتا ہے اور انسان کو اللہ تعالیٰ کا مقرب بنانے کا بھی اہتمام کرتا ہے۔ دین اسلام یہ چاہتا ہے کہ انسان دنیوی زندگی اللہ عزوجل کے ایک ایسے بندے کی طرح گزارے جو صرف نام کا بندہ نہ ہو بلکہ اقوال وافعال، نشست وبرخاست، حرکات وسکنات، خواب وبیداری ہر چیز میں ایک حقیقی بندہ بنے۔ دین اسلام نے عورت کی عزت وآبرو کی حفاظت کی ہے، اس کو محترم شخصیت قرار دیا، اس کے مرتبہ کی بلندی کو واضح کیا اور اس کو اس کے عالی مقام پر برقرار رکھنے کے لیے کچھ آداب وضابطے مقرر کیے تاکہ خواہشاتِ نفس کے متوالے اور اپنی جنسی بھوک مٹانے کے خواہاں اسے اپنے کھیل کا سامان نہ بنائیں۔ جیسا کہ آج یورپ اور امریکہ وغیرہ ممالک میں ہو رہا ہے اور آج وہاں کی عورت عزت و مقام اور خوشحالی کے باوجود یہ تمنا کرتی ہے کہ اسے بجائے عیاشوں، عیاروں اور جنس کے بیوپاریوں کا کھلونا بننے کے گھر کی ملکہ کا مقام مل جائے۔

اسلام نے عورت کے لیے لباس و پوشاک اور زیب و زینت کے سلسلے میں کچھ پابندیاں عائد کی ہیں، جن کا مقصد اس کی آزادی کا سلب کرنا نہیں بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ فتنہ وفساد کی بیخ کنی ہو، اور عورت کے بے پردہ نکلنے اور بن سنور کر گھومنے سے جو اخلاقی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا سدباب ہو اور عورت ذلت کے گڑھے میں گرنے، عیاشی کا سامان بننے اور ان کی بھوحوس کی نگاہوں کے زہریلے تیروں سے اپنے آپ کو بچا سکے۔ اگر غور کیا جائے تو پردہ عورت کی شرم وحیا اور نسوانیت کے ساتھ ساتھ اس کی عزت وآبرو کو بھی محفوظ رکھتا ہے اور دنیا وآخرت دونوں میں بے پردگی کے برے انجام اور آخرت کی تباہی سے بچاتا ہے۔ پردہ کے ذریعے عورت متقی بنتی ہے۔ شرم وحیا مطلوب ومحمود ہے اس کے لیے اللہ جل شانہٗ نے انسان کو طرح طرح کے لباس سے نوازا۔ اللہ عزوجل نے مومن عورتوں کو پردہ کا حکم دیا اور اس کی ترغیب دی اس لیے کہ پردہ کرنے والیاں مومنات ہیں۔ بنو تمیم کی عورتیں باریک لباس پہن کر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ ''اگر تم مومن ہو تو ایسا لباس نہ پہنو اس لیے کہ مومن عورتیں ایسا لباس نہیں پہنتیں اور اگر مومن نہیں ہو تو مزے کرو۔''

دین اسلام حیا کا داعی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کو ایمان کا جز قرار دیا اور یہ بتلا دیا کہ حیا اور ایمان دونوں ساتھی ہیں۔ اگر ایک رخصت ہو جائے تو دوسرا بھی رخصت ہو جاتا ہے۔ حیا عورت کا سب سے قیمتی زیور اور عفت کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ پہلے زمانے میں عورتیں عام قبرستانوں میں بے پردہ جانے سے بھی شرماتی تھیں۔ خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کمرے میں جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدفون تھے بلاحجاب چلی جاتی تھیں اس لیے کہ وہاں ان کے والد ماجد اور ان کے شوہر ہی مدفون تھے، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں دفن ہوئے تو حیا کی وجہ سے خوب پردہ کر کے اور کپڑے لپیٹ کر جایا کرتی تھیں، معلوم ہوا کہ پردہ عورت کا وصف اور حیا کی علامت ہے۔

مخبر صادق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ عورتیں بھی جہنمی ہیں جو کپڑے پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں۔ دوسروں کو رجھاتی ہیں، خود دوسروں پر رجھتی ہیں ان کے سر ناز سے بختی اونٹوں کے کوہانوں کی طرح ٹیڑھے ہیں۔ یہ عورتیں نہ جنت میں جائیں گی نہ جنت کی خوشبو پائیں گی، حالانکہ جنت کی خوشبو بہت دور سے آتی ہے۔ (ریاض الصالحین)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ: اسما بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما باریک کپڑے پہن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی جانب سے منہ پھیر لیا اور فرمایا: اے اسما! عورت جب بالغ ہو جائے تو اس کے بدن کا کوئی حصہ ہرگز نہ دِکھائی دینا چاہیے سوائے اس کے۔ اور اشارہ فرمایا اپنے منہ اور ہتھیلیوں کی جانب۔ (ابوداؤد، مشکوٰۃ)

حضرت علقمہ بن ابوعلقمہ اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں کہ حفصہ بنت عبدالرحمٰن حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس باریک دوپٹہ اوڑھ کر آئیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کا دوپٹہ پھاڑ دیا اور موٹا دوپٹہ اڑھا دیا۔ (مالک، مشکوٰۃ)

ایک بار نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مصر کی بنی ہوئی باریک

باقی صفحہ 11 پر

☆ دعوۃ القرآن بنگلور، موبائل نمبر 8951187236

ابو اسامه ظفر القادری بکھروی ☆

حدیث جابر اور رفع یدین کا منسوخ ہونا

(قسط اوّل)

''حَدَّثَنَا اَبُوْ بَکْرِ بْنُ اِبْنِ اَبِیْ شَیْبَۃَ وَاَبُوْ کُرَیْبٍ قَالَ، حدثنا اَبُوْمُعَاوِیَۃَ عَنِ الْاَعْمَشِ عَنِ الْمُسَیَّبِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ تَمِیْمِ بْنِ طُرُفَۃَ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَۃَ قَالَ: خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فَقَالَ: مَالِیْ اَرَاکُمْ رَافِعِیْ اَیْدِکُمْ کَاَنَّھَا اَذْنَابُ خَیْلٍ شُمُسٍ اُسْکُنُوْا فِیْ الصَّلٰوۃِ.''

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا یہ کیا وجہ ہے کہ میں تم کو بدکے ہوئے گھوڑوں کی دُموں کی طرح نماز میں رفع یدین کرتے ہوئے دیکھتا ہوں: نماز سکون سے پڑھا کرو۔ (صحیح مسلم عربی ۱/۱۸۱ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی) یہ روایت تقریباً 16 کتب میں 32 اسناد کے ساتھ موجود ہے۔

اس حدیث کے تحت شروع دن سے محققین ومحدثین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین نے رفع یدین کو منسوخ مانا ہے یہی وجہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمہ اور دیگر شوافع وحنابلہ اور بعد میں آنے والے غیر مقلدین (اہلحدیث) جو کہ رفع یدین کے قائل ہیں، نے اس حدیث کے کئی جواب دیے ہیں اور اس حدیث کو ناسخ ماننے سے انکار کیا ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ شروع ہی سے اکابرینِ اسلام نے اس حدیث کے تحت نسخِ رفع یدین کا استدلال کیا ہے۔ جن محدثین نے اس حدیث سے رفع یدین کا منسوخ ہونا قبول کیا ہے درج ذیل ہیں:

محدث جلیل امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی علیہ الرحمہ نے رفع یدین کے متعلق دعویٰ نسخ فرمایا۔ پھر اس کی تکمیل کے بعد آخر میں لکھا: ''**وھو قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف و محمد رحمھم اللّٰہ تعالیٰ**'' (شرح معانی الآثار ۱/۴۶۸ مترجم حامد اینڈ کمپنی لاہور)

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ سے یہ امر صراحت کے ساتھ ثابت ہے کہ نماز میں رفع یدین نہیں چنانچہ امام محمد علیہ الرحمہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ (اللفظ للاول)

''**لا یرفع یدیہ فی شی ء من ذالک الا فی التکبیرۃ التی یفتح بھا الصّلوٰۃ**'' (کتاب الاصل ۱/۱۳، موطا امام محمد ص ۹۰)

ترجمہ: یعنی پوری نماز میں نمازی کو تکبیر تحریمہ کے علاوہ کہیں بھی رفع یدین کی اجازت نہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں:

''**قال ابو حنیفۃ و اصحابہ و جماعۃ من اھل الکوفۃ: لا یستحب فی غیر تکبیرہ الاحرام وھو اشھر الروایات عن مالک**'' (شرح مسلم باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام ص ۱۶۸)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ ان کے اصحاب اور اہلِ کوفہ کی جماعت نے یہ فرمایا کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ کوئی بھی رفع یدین مستحب نہیں ہے اور یہی مشہور روایت امام مالک علیہ الرحمہ سے ہے:

''**قال محمد: السنۃ ان یکبر الرجل فی صلوٰتہ کلما خفض و کلما رفع، واذا انحط للسجود کبر، واذا انحط للسجود الثانی کبر. فاما رفع الیدین فی الصّلوٰۃ فانہ یرفع الیدین حذو الاذنین فی ابتداء الصّلوٰۃ مرۃ واحدۃ ثم لا یرفع فی شی ء من الصّلوٰۃ بعد ذالک. وھذا کلہ قول ابی حنیفۃ رحمہ اللّٰہ وفی ذالک اٰثار کثیرہ**'' (موطا امام محمد ص ۹۰ مترجم)

ترجمہ: امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا: سنت یہ ہے کہ جب کوئی اپنی نماز میں جھکے اور جب بلند ہو تکبیر کہے اور جب سجدہ کے لیے جھکے تکبیر کہے لیکن رفع یدین نماز میں ایک بار ہے وہ یوں کے نماز شروع کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر اٹھائے یہی امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا قول ہے اس (ایک مرتبہ رفع یدین کرنے کے) مسئلہ میں بہت سے آثار ہیں

اگر کوئی یہ کہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ علیہم کا مناظرہ اس معاملہ میں مشہور ہے اور وہاں وجہ ترجیح فقہ رواۃ کو بنانا مذکور ہے اور آپ (حنفی) اس کو منسوخ کہتے ہیں۔ تو گزارش یہ ہے کہ مناظرہ میں ماحول کے مطابق گفتگو کی جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے اس وقت بحث اسی انداز میں ہو رہی ہو اور اپنے مؤقف کو اسی طرح ثابت کرنا ٹھہرا ہو جبکہ یہ قطعاً ممکن نہیں کہ امام اعظم علیہ الرحمہ کو احادیث رفع یدین کے وجود کا انکار ہو کیونکہ انکار حدیث تو کسی عام مسلمان سے متصور نہیں چہ جائیکہ اسے امام المسلمین سے منسوب کیا جائے۔ لہٰذا یہ ماننا پڑے گا کہ اس مسئلہ کی احادیث ترک راجح اور احادیث فعل مرجوح ہیں۔ جبکہ نسخ کے علاوہ کوئی وجہ نہیں اور وجہ ترجیح نسخ ہی قرار پایا۔

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا بنیادی سلسلہ تلمذ تین واسطوں سے

حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔آپ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے علوم و معارف کے وارث اور امین ہیں جب کہ غیر مقلدین کے نزدیک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نسخ رفعِ یدین کے قائل تھے اور ان سے رفع یدین نماز میں ثابت نہیں بلکہ ترک ثابت ہے غیر مقلدین (اہل حدیث) کے پیشوا شاہ اسماعیل دہلوی نے لکھا ہے:

''اما قول ابن مسعود و ترک فترکنا فالمستعار منه هو انّ النّبیّ ﷺ ترک وفهمناالنسخ فالنسخ هو فهم ابن مسعو'' (تنویر العینین ص ۲۸، ۲۹)

ترجمہ: یعنی رہا حضرت ابن مسعود کا یہ قول کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین چھوڑ دی تو ہم نے بھی چھوڑ دی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع یدین چھوڑی جس سے ہم نے یہ سمجھا کہ وہ منسوخ ہوگئی پس اسے منسوخ سمجھنا حضرت ابن مسعود کی فہم کا نتیجہ ہے۔

علامہ ملا علی قاری مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: ''ولیس فی غیر التحریمة رفع یدیه عند ابی حنیفه لخبر مسلم عن جابر بن سمرة قال خرج علینا.'' (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۷۵)

ترجمہ: یعنی امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک (اختلافی) رفع یدین کی جو کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ احادیث نہیں جس کی ایک دلیل حضرت جابر بن سمرہ کی حدیث جو کہ صحیح مسلم میں ہے۔

اسی طرح غیر مقلدین کے امام نواب صدیق حسن خان بھوپالی نے لکھا:

''ولا یبعد أن یکون ابن مسعود رضی اللّٰه تعالیٰ عنه ظن أن السنة المتقررة آخراً هو ترکه'' (الروضۃ الندیہ ۱/۹۴ طبع کراچی)

ترجمہ: یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا ہو کہ یہ رفع یدین آخر میں متروک ہوگئی تھی۔

امام اوزاعی علیہ الرحمہ کے ساتھ مناظرے کے حوالے سے امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمہ نواب بھوپالی نے کا یہ مؤقف بھی لکھا ہے:

''فکانه ظن انه تفطن ابن مسعود للنسخ''

گویا امام اعظم علیہ الرحمہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو قائل نسخ گردانتے ہوئے فقہ رواۃ کی توجیہہ کو اپنایا تھا۔ (ملاحظہ فرمائیے: الروضۃ الندیہ ۱/۹۵ طبع کراچی)

حدیث جابر سے استدلال کے بعد امام صاحب علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''ولأن السنة رفع یدیه عند الافتتاح'' (البنایہ ۳/۱۳۶ طبع بیروت)

امام طحاوی علیہ الرحمہ نے دعویٰ نسخ فرمایا اور اس پر دلائل کے انبار لگا دیئے۔ (دیکھئے شرح معانی الآثار للطحاوی مترجم ۱/۶۲۴ طبع لاہور)

امام سرخسی علیہ الرحمہ ''المبسوط'' میں فرماتے ہیں:

''وحین رأی بعضُ الصحابة رضوان اللّٰه علیهم یرفعون ایدیهم فی بعض أحوال الصّلٰوة کره ذالک فقال مالی أراکم رافعی أیدیکم کأنها أذناب خیل شمس اسکنوا. ''ترجمہ: یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کرام کو بعض احوال نماز میں رفع یدین کرتے دیکھا تو اس کے کرنے سے منع فرمایا۔ اور فرمایا مالی اراکم رافعی ایدیکم...الخ

(المبسوط للسرخسی ۱/۱۴ باب کیفیۃ الدخول فی الصلوۃ، طبع دار المعرفۃ بیروت)

فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''وعن جابر بن سمرة قال: خرج علینا رسول اللّٰه ﷺ فقال: مالی اراکم رافعی أیدیکم کأنها أذناب خیل شمس اسکنوا فی الصّلٰوة رواه مسلم.'' (تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق ج ۱/۱۲۰)

امام کمال الدین محمد بن الواحد المعروف با بن ہمام علیہ الرحمہ شرح فتح القدیر میں ترک رفعِ یدین کے دلائل لکھ کر نسخ کا دعویٰ فرماتے ہیں۔

(دیکھئے: شرح فتح القدیر ۱/۳۱۹، ۳۲۰ طبع بیروت)

شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی علیہ الرحمہ صاحب الہدایہ اولین ص نمبر ۹۲، ۹۳ میں ترک رفع یدین کے دلائل لکھ کر نسخ کا دعویٰ کرتے ہیں۔

امام ابن نجیم المصری الحنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''فلا یرفع یدیه عند الرکوع ولا عند الرفع منه ولا تکبیرات الجنائز بحدیث ابی داؤد عن البراء بن عازب (الی) و بحدیث جابر بن سمرة قال خرج علینا ..الخ''

ترجمہ: یعنی رکوع میں اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور تکبیرات جنازہ میں رفع یدین نہیں ہے۔ ابوداؤد کی حدیث براء بن عازب اور حدیث جابر بن سمرہ کی وجہ سے۔ (البحر الرائق ج اول ص ۳۲۲ طبع کوئٹہ)

قاضی عیاض المالکی علیہ الرحمہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وقد ذکر ابن القصار هذا الحدیث حجة فی النهی عن رفع الا یدی علی روایة المنع من ذالک جملة''

(الاکمال المعلم بفوائد مسلم ۲/۳۴۴)

ترجمہ: اور بے شک ابن القصار المالکی نے اس حدیث کو نماز میں رفع یدین کے منع کرنے پر حجت کے طور پر پیش کیا ہے۔

حضرت علامہ علی قاری الحنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''رواه مسلم و یفید النسخ'' (شرح نقایہ ج ۱ ص ۷۸)

ترجمہ: حدیث مسلم (رفع یدین) کے نسخ کا فائدہ دیتی ہے۔

اور اسی طرح ''مرقات شرح مشکوٰۃ'' ملا علی قاری میں ہے حافظ امام جمال الدین اَبی محمد عبداللہ بن یوسف الزیلعی الحنفی (المتوفی ۷۶۲ھ) علیہ

الرحمہ فرماتے ہیں:

''احادیث أصحابنا: منها حدیث تمیم بن طرفة عن جابر بن سمرة قال، خرج علینا رسول اللّٰه ﷺ فقال: مالی اراکم رافعی ایدیکم کأنها أذناب خیل شمس اسکنوا فی الصّلٰوة''

(نصب الرایۃ لاحادیث الہدایہ ۱/۳۹۳)

ملک العلماء علامہ کاسانی علیہ الرحمہ نے بھی اس حدیث سے بطور نسخ استدلال فرمایا ہے: (دیکھئے: بدائع الصنائع ۱/۲۰۷)

علامہ سید طحطاوی الحنفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''فلا یرفع یدیه عند الرکوع و عند الرفع منه لحدیث مسلم مالی اراکم رافعی ایدیکم ...الخ

(دیکھئے: حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح)

امام حسن بن عمارہ الشرنبلالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ویکره الرفع فی غیر هذا المواطن فلا یرفع یدیه عند الرکوع ولاعند الرفع منه ولا فی تکبیرات الجنائز غیر الاولیٰ لحدیث مسلم، مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذناب خیل شمس......الخ (مراقی الفلاح ص۴۰ مطبوعہ کراچی)

علامہ محمد ہاشم سندھی (المتوفی ۱۱۷۴ھ) علیہ الرحمہ نے رفع یدین کے منسوخ ہونے کے بارے میں صریح احادیث اور حضرت جابر بن سمرہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی احادیث درج فرمائی ہیں۔

(کشف الرین فی مسئلہ رفع الیدین مترجم ص ۶۸ مع مقدمہ محمد عباس رضوی طبع گوجرانوالہ)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''و یکره ان یفترش ذراعیه وان یرفع یدیه عند الرکوع و عند رفع الراس من الرکوع'' (فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۵، ۱۰۶۔ الفصل الثانی فی ما یکرہ فی الصلوٰۃ ومالا یکرہ)

علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''(تتمه) بقی من المکروهات اشیاء اخر ذکرها المنیه ونورُ الایضاح وغیرهما (الیٰ أن قال) و رفع یدیه عند الرکوع والرفع منه'' (فتاویٰ شامی ۱/۴۸۴ مطبوعہ مصر)

اس عبارت میں علامہ شامی نے رکوع اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کو مکروہات میں شمار کیا ہے جو کہ ممانعت کی دلیل ہے اور ممانعت حدیث جابر میں ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دھلوی علیہ الرحمہ نے بھی حدیث جابر کے تحت رفع یدین منسوخ مانا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے: (شرح سفرالسعادت ص۲۷)

علامہ بدرالدین العینی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''واستدلال أصحابنا بحدیث جابر بن سمرة قال: خرج علینا رسول اللّٰه فقال: مالی أراکم رافعین أیدیکم کانها أذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوٰة اخرجه مسلم'' (البنایۃ فی شرح الہدایۃ ۲/۲۹۴ طبع بیروت)

اسی طرح علامہ عینی نے ''عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۵ ص ۴۰۵'' میں لکھا ہے:

امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان علیہ الرحمہ نے بھی حدیث جابر کے تحت رفع یدین کو منسوخ مانا ہے۔ (فتاوی رضویہ ج۶/۱۵۵)

محدث دکن علامہ ابوالحسنات سید عبداللہ شاہ علیہ الرحمہ نے ''زجاجۃ المصابیح'' میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث لکھی اور دیگر دلائل دیئے۔ اور رفع یدین کو منسوخ مانا۔ (زجاجۃ المصابیح مترجم ج ۱، ص ۵۷۳ تا ۵۷۶ طبع فرید بک سٹال لاہور)

علامہ عبدالعزیز پرہاروی علیہ الرحمہ نے بھی رفع یدین عندالرکوع اور رکوع سے سر اُٹھاتے وقت کو بھی منسوخ مانا ہے۔ (کوثر النبی)

امام ابی محمد علی بن زکریا المنجی (م ۶۸۶ھ) لکھتے ہیں:

''لا ترفع الایدی عند الرکوع ولا بعد الرفع منه، مسلم عن جابر بن سمرة رضی اللّٰه عنه، قال: خرج علینا رسول اللّٰه ﷺ فقال: مالی اراکم رافعی أیدیکم کأنهاأذناب خیل شمس اسکنوا فی الصّلاة،، (اللباب فی الجمع بین السنة والکتاب ۱/ ۲۳۱ مطبوعه دمشق)

ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن جوزی رحمہ اللہ حدیث جابر لکھ کر آپ اس کے بعد لکھتے ہیں:

''و قد احتج بعض أصحاب أبی حنیفةبهذا الحدیث فی منعهم رفع الیدین فی الرکوع وعند الرفع منه ،، (کشفُ المشکل من حدیث الصحیحین ۱/ ۲۹۵ مطبوعه ریاض)

علامہ مغلطائی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''واما استدلال بعض الحنفیة بحدیث جابر بن سمرة من عند مسلم مالی اراکم ...الخ،، (شرح ابن ماجه للمغلطائی ۱/ ۱۴۷۴ مطبوعه سعودی عرب)

ودبن احمد بن الصدر الشہید النجاری برہان الدین مازہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''ویکره أن یرفع یدیه عندالرکوع،وعند رفع الرأس من الرکوع لحدیث جابر بن سمرة.......الخ،، (المحیط البرهانی ۲/ ۵۵ مطبوعه داراحیاء التراث العربی)

شہاب الدین احمد بن ادریس مالکی رحمہ اللہ دیگر دلائل لکھ کر رفع یدین

کی منسوخیت کی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وجه الثانی أن الرفع منسوخ بمایروی عن جابر بن سمرة قال کنا...اسکنوا فی الصلاة'' (الذخیرة ۲/۲۲۰ طبع بیروت)

علامہ الحاج نجاح الحلبی دیگر دلائل لکھ کر حدیث جابر کو منع کی دلیل بناتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ولا ترفع الیدان عندالرکوع ولا فی الرفع منه ولا فی التکبیرات الجنازة غیر الأولی منها لحدیث جابر بن سمرة رضی اللّٰه عنه' قال خرج علینا....اسکنوا فی الصلاة،،

(فقه العبادات علی المذاهب الحنفی ۱/۸۷)

ماہر یاسین الفحل لکھتے ہیں:

''لا ترفع الیدان عندالرکوع ولا فی الرفع منه ،وانما ترفعان عند تکبیرة الاحرام فقط.وهو قول ابی بکر فی الروایة، وعمر فی روایة، وعلی، وابن مسعود، وابن عمر فی روایة، وابن عباس فی روایة، والثوری، والشعبی، والنخعی، وابن ابی لیلی،والحسن بن صالح بن حی، والاسود، وعلقمة، وخیثمة،وقیس بن ابی حازم،وابی اسحاق السبیعی، والیه ذهب ابو حنیفة واصحابه،وهو روایة عن مالک وهو مذهب اهل الکوفة واستدلوا بحدیث جابر بن سمرة قال خرج علینا...أسکنوا فی الصّلاة،، (أثر اختلاف المتون والأسانید فی اختلاف الفقهاء ۱/۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹)

ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمہ نے بھی حدیث جابر کے تحت رفع یدین کو منسوخ مانا ہے۔(صحیح البہاری ۲/۳۹۶)

محدث بہاولپوری علامہ فیض احمد اویسی علیہ الرحمہ نے بھی حدیث جابر سے رفع یدین کے منسوخ ہونے کا استدلال کیا ہے۔(رسالہ رفع یدین ص۹ طبع بہاولپور)

علامہ غلام رسول سعیدی مدظلہ نے بھی حدیث جابر کے تحت رفع یدین کو منسوخ مانا ہے۔(شرح صحیح مسلم ج۱ص ۱۲۳۵)

علامہ مفتی غلام رسول (علی پور سیداں) بھی حدیث جابر سے نسخ کا استدلال کرتے ہیں:(نور الفرقدین علی رفع الیدین ص ۶۲،۶۳)

محقق اسلام علامہ مولانا محمد علی نقشبندی علیہ الرحمہ حدیث جابر بن سمرہ لکھ کر فرماتے ہیں:

''یہ حدیث پاک بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ ان صحابۂ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے عمل کو تو دیکھا تھا اور اس کے مطابق نماز ادا کر رہے تھے۔لیکن انھیں چونکہ آپ کے آخری عمل کی خبر نہ پہنچی تھی اس لیے جب آپ نے انھیں منسوخ شدہ کام کرتے دیکھا تو اسے گھوڑوں کے دم ہلانے سے مشابہ قرار دیا اور سکون کا حکم دیا لہٰذا اس ارشاد گرامی سے رفع یدین والی روایات منسوخ ہونا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہو گیا:(شرح موطا امام محمد:۱/۱۳۵ کتاب الصلوٰۃ طبع لاہور)

حضرت علامہ محمد حسن محدث السنبلی علیہ الرحمہ نے حدیث جابر لکھ کر اس سے نسخ رفع یدین کا استدلال کیا ہے اور مزید دلائل ترک رفع یدین کے دیئے ہیں۔(تنسیق النظام ص ۵۵ طبع مکتبہ رحمانیہ لاہور)

حضرت علامہ محدث قاسم بن قطلو بغا علیہ الرحمہ نے بھی حدیث جابر سے نسخ رفع یدین کا استدلال کیا ہے۔(بحوالہ مناظرے ہی مناظرے از علامہ محمد عباس رضوی ص ۳۹۱)

ترحیب بن ربیعان الدوسری بھی دیگر دلائل لکھ کر آخر میں لکھتے ہیں:

''وقد احتج بعض متأخری الکوفةبحدیث مسلم عن جابر بن سمرة قال :قال رسول اللّٰه ﷺ:مالی اراکم... أسکنوا فی الصّلاة.''

ترجمہ:اور تحقیق بعض متاخرین کوفہ نے حدیث مسلم جابر بن سمرہ سے احتجاج کیا ہے۔(ردجزالواحد بما یسمی ۱/۶۳)

ابو معاذ طارق بن عوض اللہ بن محمد لکھتے ہیں:

''أطلق فیها النهی عن رفع الیدین،ولم یقید فیها بحالة السلام،فاحتج بها بعض الکوفین لمذهبهم فی المنع من رفع الیدین عند الرکوع ورفع منه وهذا الروایة.....عن جابر بن سمرة قال خرج علینا...أسکنوا فی الصلاة.''

یعنی رفع یدین کے حوالے سے نہی مطلق ہے،اس کو بحالت سلام مقید نہیں کیا جا سکتا،پس بعض اہل کوفہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ رکوع جاتے اور آتے ہوئے رفع یدین سے منع کرتے ہیں۔اس روایت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے تحت قال خرج علینا...الخ سے استدلال کرتے ہیں۔(الارشادات فی تقویة الاحادیث بالشواهد والمتابعات ۱/۱۰۷ مطبوعه الریاض)

فقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمہ اللہ نے بھی حدیث جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے استدلال کرتے ہوئے رفع یدین کو منسوخ مانا ہے اور اس روایت پر اعتراضات کے جوابات دیے ہیں۔(نزہۃ القاری شرح بخاری ۲/۳۸۹ طبع فرید بک سٹال لاہور)

(جاری)

علامہ سید احمد سعید کاظمی ☆

مقامِ نبوت

فتنۂ قادیانیت اسلامیانِ ہند کے لیے ایک اہم فتنہ ہے، جو مسلمانوں کو ارتداد کے چنگل میں گرفتار کرنے کے لیے تحریک کی شکل میں اُنیسویں صدی کے نصف اخیر میں وجود میں آیا۔ یہ وہ جماعت ہے جس کے کفر وارتداد پر امت مسلمہ کا اتفاق ہے۔ قلیل تعداد میں ہوتے ہوئے یہ تنظیمی طور پر بہت ہی مضبوط ہے۔ مسلمانوں کے اجتماعی عقیدہ ''ختم نبوت'' کے خلاف اسلام دشمن طاقتوں کے رحم وکرم اور مالی تعاون سے اس کا وجود ہوا اور گرداس پور، پنجاب، انڈیا کے چھوٹے سے قصبے سے اس کا آغاز ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس فتنے کا سیلاب استعماری قوتوں کی مدد سے کئی ممالک میں پہنچ گیا۔ سال ۲۰۱۳ء کو ادارہ ماہِ نور تحفظ ختم نبوت کے طور پر منا رہا ہے۔ پیش نظر مضمون تحفظ ختم نبوت کے باب میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ (ادارہ)

نبی، وہ مقدس انسان ہے جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ منصبِ ہدیٰ اور اپنے احکام کی تبلیغ کے لیے اپنے بندوں کی طرف بھیجے اور اس منصبِ ہدیٰ اور منصبِ تبلیغِ احکام پر فائز اور مامور فرمائے۔ علمائے علم لغت نے لفظ 'نبی' کے آٹھ معنی لکھے ہیں۔ پہلے میں لغوی معنی عرض کروں گا اور اس کے بعد یہ عرض کروں گا کہ وہ تمام معنیٰ شرعی نبی میں پائے جاتے ہیں۔ علماءِ علم لغت نے فرمایا:

(۱) النَّبِیُّ الْمُخبِر (۲) اَلْمُخبَر (۳) اَلطَّرِیْقُ الْوَاضِح (۴) اَلْخَارِجُ (۵) اَلْمُخْرِجُ (۶) اَلظَّاهِرُ (۷) اَلسَّامِعُ الصَّوْتِ الْخَفِیُّ (۸) اَلْمُرْتَفَعُ. (نبی کے معنی کی تفصیلات حسب ذیل کتب معتبرہ میں درج ہیں: مسامرہ جلد دوم بطع مصر، ص ۸۳، نبراس شرح عقائد صفحہ ۸۔ شرح مواقب جلد ۸، ص ۱۷۷ طبع مصر۔ مفردات امام راغب اصفہانی، ص ۵۰۰، طبع مصر۔ اقرب الموارد جلد دوم ص ۱۶۵۹، طبع مصر۔ الشفا قاضی عیاض اندلسی، ص ۳۷، مواہب لدنیہ جلد اوّل، ص ۲۸۱)

لفظ ''نبی'' کے یہ آٹھ معنی علمائے علم لغت نے لکھے ہیں اور جس مقدس انسان کو اصطلاحِ شرع میں نبی کہا جاتا ہے اور جس کا مفہوم میں نہایت مختصر الفاظ میں عرض کر چکا ہوں۔ اُس میں یہ آٹھوں معنی لغت کے پائے جاتے ہیں۔

- نبی کو ''مُخبِر'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ہدایات الٰہیہ اور پیغامات ربّانیہ کی خبر اللہ کے بندوں کو دیتا ہے۔
- نبی کو ''مُخبَر'' اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیا جاتا ہے۔
- نبی کو ''الطریق الواضح'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ چونکہ انسان کے مقصدِ تخلیق کی تکمیل کے لیے انبیا علیہم السلام کی بعثت ہوتی ہے اور انسان کی تخلیق کا جو بنیادی مقصد ہے وہ خدا کی معرفت اور خدا تک پہنچنا ہے۔ دینی و دنیوی سعادتیں حاصل کرنا اور نجات اخروی پانا، یہ نبی کی بعثت کا مقصد ہوتا ہے۔ تو گویا ان مقاصد کے حصول کے لیے طریق واضح اور روشن راستہ ہے۔ نبی کی ذات دنیوی سعادتیں اور نجات اُخروی حاصل کرنے کا روشن راستہ ہے، نبی خدا تک پہنچنے کا روشن راستہ ہے، اس لیے ''الطریق الواضح'' کے معنی بھی نبی شرعی میں پائے جاتے ہیں۔
- ''الخارج'' کے معنی ہیں ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ جانے والا، چونکہ نبی صاحبِ ہجرت ہوتا ہے اور ہجرت کے معنی آپ جانتے ہیں کہ ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ جانا، جیسے ہمارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے چل کر مدینہ منورہ پہنچے۔ اس میں خارج ہونے کے معنی پائے جاتے ہیں یعنی ہجرت کا مفہوم اس میں پایا جاتا ہے۔
- نبی کو ''المخرج'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ چونکہ نبی اعدائے دین کی ایذا رسانی کی وجہ سے ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ جاتا ہے۔ اور وہ کفار سبب ہوتے ہیں نبی کے ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ منتقل ہونے کا، تو اس اعتبار سے نبی کو مخرج بھی کہا جا سکتا ہے۔
- نبی کو ''الظاهر'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کو وہ علاماتِ نبوت عطا فرماتا ہے اور وہ آیاتِ نبوت اور معجزات عطا فرماتا ہے کہ نبی جن کا حامل ہو کر کمالِ ظہور کی صفت کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا: **یعرفونه کما یعرفون ابناهم.** تو اس کمال ظہور کی صفت کے ساتھ متصف ہونے سے نبی شرعی میں ''الظاہر'' کے معنی بھی پائے جاتے ہیں۔
- نبی شرعی میں ''السامع الصوت الخفی'' کے معنی بھی موجود ہیں کیونکہ **السامع الصوت الخفی** کا مفہوم یہ ہے کہ ہلکی سے ہلکی اور پوشیدہ سے پوشیدہ آواز سننے والا۔ آپ کو معلوم ہے کہ نبی اللہ کا خطاب سُنتا ہے۔ اللہ کا کلام سُنتا ہے، اللہ کی وحی سنتا ہے، وہ ایسی ہلکی اور ایسی خفیہ ہوتی ہے کہ جس تک نبی کا ہی ادراک پہنچ سکتا ہے اور نبی کی ہی قوت سماعت اس کا ادراک کر سکتی ہے۔ دوسروں کی قوت اس کے ادراک سے عاجز ہوتی ہے۔ بلکہ اس دنیا میں بھی ہلکی سے ہلکی آواز سننا یہ نبی کی شان ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کا واقعہ بیان فرمایا کہ جب سلیمان اور اُن کا لشکر وادئ نملہ سے گزرے، تو چیونٹیوں کی ملکہ نے دیکھا کہ حضرت سلیمان کا لشکر آسمان کی بلندیوں پر آ رہا ہے، اگر یہ لشکر یہاں اُتر گیا تو یہ جو میری چھوٹی چھوٹی چیونٹیاں ہیں یہ اس لشکر کے اُترنے سے پامال ہو جائیں گی۔ تو چیونٹیوں کی ملکہ نے چیونٹیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اے میری چھوٹی چھوٹی چیونٹیو! تم ان سوراخوں میں داخل ہو جاؤ، ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اُن کا لشکر اُتر کر تمھیں پامال کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **فتبسم ضاحکا من قولها** یعنی

☆ پاکستان

حضرت سلیمان، چیونٹیوں کی ملکہ کی بات سن کر مسکرا پڑے۔ آپ کو معلوم ہے کہ حضرت سلیمان بہت فاصلے اور بلندیوں پر تھے اور چیونٹیوں کی ملکہ چیونٹیوں سے یہ بات زمین پر کہہ رہی تھی۔ اب دیکھیے کوئی انسان زمین پر موجود ہو تو کبھی چیونٹی کی آواز نہیں سنتا، لیکن حضرت سلیمان نے اتنی بلندیوں سے اس کی آواز کو سن لیا۔ تو ثابت ہوا کہ ''السامع الصوت الخفی'' کے معنی بھی نبی شرعی میں پائے جاتے ہیں۔

• اور النبی کے معنی ''المرتفع''، رفعت اور بلندیوں والا تو اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی ساری کائنات سے بلند ہوتا ہے۔ وہ اپنے علم کے اعتبار سے، اپنے عمل کے اعتبار سے اور اپنے اخلاق کے اعتبار سے بلکہ یوں کہیے کہ نبی جسمانی اور روحانی اعتبار سے ساری کائنات سے بلند ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو وہ رفعت اور بلندی عطا فرماتا ہے۔ جو کائنات میں کسی اور کے لیے متصور نہیں ہوتی، یہاں تک کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا۔ ''ورفعنا لک ذکرک ''۔ اے محبوب! آپ کو اتنی رفعت عطا فرمائی گئی ہے کہ ہم نے آپ کے ذکر کو بھی آپ کے لیے بلند فرمایا بہر حال یہ آٹھ معنی نبی شرعی میں پائے جاتے ہیں۔

یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ نبی اپنے کمالات عالیہ اور عملیہ کے اعتبار سے تمام غیر انبیا سے فائق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نبی کو وہ علم عطا فرماتا ہے جو غیر نبی کے لیے متصور نہیں۔ نبی کو وہ حکمت دیتا ہے جو کسی غیر نبی کے لیے متصور نہیں۔ نبی کے جسمانی قویٰ، دوسرے انسانوں کے جسمانی قویٰ سے بہت بلند و بالا اور قوی ہوتے ہیں۔ نبی کے روحانی قویٰ، نبی کا علم، نبی کی عقل تمام انسانوں سے بلند و بالا اور اعلیٰ اور اتم ہوتی ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی حکمت تو تخلیق انسانی کے مقصد کی تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ.

ہم نے جن وانس کو اپنی عبادت و معرفت کے لیے پیدا کیا ہے۔

عبادت کا مفہوم یہی نہیں کہ ہم پانچ وقت نماز ہی پڑھ لیں یا روزہ رکھ لیں یا زکوٰۃ دے دیں یا حج کر لیں۔ بلکہ انسان کی عبادت تو ہر سانس میں ہے۔ وہ جو سانس لے، جو عمل کرے، جو حرکت کرے، اُس کے اندر اپنے رب کی رضا مقصود ہو۔ جو کام بھی رضائے رب کے لیے کیا جائے اور وہ کام ایسا ہو کہ جس کام کے کرنے کا طریقہ شرع شریف سے ثابت ہے۔ وہ سب کام عبادت ہیں۔ یہاں تک کہ انسان کا کھانا کھانا بھی عبادت ہے، پانی پینا بھی عبادت ہے، اپنے اہل و عیال کے حقوق متعلق کو پورا کرنا یہ سب عبادت ہے، چلنا پھرنا بھی عبادت ہے۔

اب غور فرمائیے! کہ انسان اپنی زندگی میں جتنے مرحلوں سے گزرے گا وہ سب عبادت کے مرحلے ہیں۔ اب اُس کو معلوم نہیں کہ کس طریقے سے میں اپنے رب کو راضی کروں اور کس طرح اپنی زندگی کو گزاروں اور کس طرح میں بات کروں اور کس طرح میں کوئی کام کروں اور میں اللہ تعالیٰ کی رضا کس طرح حاصل کروں؟ تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے رب سے اپنی کمزوریوں کی بنا پر وہ کوئی احکام نہیں لے سکتا، کوئی ہدایات نہیں لے سکتا اور کوئی حکم اپنے رب سے وہ حاصل نہیں کر سکتا، اس لیے کہ اُس کے اندر کچھ ایسی بشری کمزوریاں ہیں کہ جن کمزوریوں کی وجہ سے وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے فیض حاصل نہیں کر سکتا۔ تو اب اگر اُس کو کوئی فیض نہ پہنچے اور اُس کو کوئی ایسا طریقہ حاصل نہ ہو جس کی بنا پر وہ اپنے اس مقصدِ تخلیق میں کامیاب ہو، تو کس طرح وہ کامیابی حاصل کرے گا اور وہ کیا کرے گا؟

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے مقصدِ تخلیق کی تکمیل کے لیے انبیا علیہم السلام کو بھیجا۔ اب وہ انبیا بھی اگر اُنہی بشری کمزوریوں میں مبتلا ہوں تو پھر اُن کی نبوت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لیے یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسمانی قویٰ عام انسانی قویٰ سے بہت بلند و بالا اور قوی ہوتے ہیں۔ ان کی روحانیت بہت عظیم ہوتی ہے۔ اُن کا علم بہت کامل ہوتا ہے۔ اُن کی حکمت کامل ہوتی ہے۔ اُن کے اخلاق اخلاقِ عظیمہ ہوتے ہیں، اُن کا ہر قول، اُن کا ہر فعل نبی اور رسول ہونے کی حیثیت سے شرع کی دلیل اور منجانب اللہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.

اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰه.

اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرے محبوب آپ فرما دیجیے کہ تم میری اتباع کرو۔ اور اسی قرآن میں فرمایا:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ.

اگرچہ یہاں اللہ و رسول اور اولی الامر تینوں کی اطاعت کا ذکر ہے۔ لیکن اللہ کی اطاعت کے لیے اَطِیْعُوْا کا لفظ فرمایا۔ اور رسول کی اطاعت کے لیے بھی اَطِیْعُوْا کا لفظ فرمایا۔ اور اولی الامر کا عطف کر دیا ماقبل پر، وہاں اَطِیْعُوْا کا لفظ ذکر نہیں فرمایا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت تو اُسی بات میں ہوگی جو خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ہو اور جو بات کسی غیرِ رسول کی خدا اور رسول کے حکم کے خلاف ہو تو ہرگز اُس میں اُس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اور جب بھی کوئی غیرِ رسول کوئی حکم ہمارے سامنے رکھے گا تو ہمیں حق ہے کہ ہم اُس کے حکم کے صحیح ہونے اور اس کی اطاعت کے واجب ہونے پر ہم اُس سے دلیل طلب کر لیں اگر اُس کا حکم صحیح ہے اور اس کے پاس اُس حکم کے واجب الاتباع ہونے کی دلیل موجود ہے تو ہم اُس کی اطاعت کریں گے اور اگر وہ حکم صحیح نہیں ہے اور اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ تو پھر ہم اُس کی اتباع نہیں کریں گے اور اسی لیے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لا طاعة مخلوق معصية فی الخالق** یعنی ایسی بات میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہو سکتی جس میں خالق کی معصیت ہو۔ تو اس لیے اولی الامر کے لیے مستقلاً اَطِیْعُوْا کا لفظ نہیں فرمایا بلکہ اُس کا عطف ماقبل پر غور فرما دیا اور دونوں کے لیے فرمایا ''اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ'' حالانکہ ''الرسول'' میں بھی اَطِیْعُوْا کی بجائے عطف کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وہاں اَطِیْعُوْا فرمایا۔ یہ کیوں؟ مقصد یہ ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ کے حکم پر تم کوئی

دلیل طلب نہیں کر سکتے اسی طرح رسول کے حکم پر بھی تم کوئی دلیل طلب نہیں کر سکتے۔ بغیر طلبِ دلیل کے تم پر واجب ہے کہ خدا کی اطاعت کرو اور بغیر طلبِ دلیل کے تم پر واجب ہے کہ تم رسول کے حکم کی اطاعت کرو اور یہ اُسی وقت ممکن ہے کہ جب رسول عام بشری کمزوریوں سے بالا تر ہو۔ اور اگر اُس کے اندر وہ بشری کمزوریاں ہیں اور اگر وہ غلطی کرتا ہے، اگر وہ گنہگار ہوسکتا ہے اور وہ اس قسم کی بشری کمزوریوں سے متصف ہوسکتا ہے تو پھر اُس کی اطاعت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اس کی اطاعت کا واجب الاتباع ہونا، یہ متصور ہی نہیں ہوتا۔

میں آپ کو بتاؤں کہ اللہ کی اطاعت بھی مستقلاً ہے اور رسول کی اطاعت بھی مستقلاً ہے۔ مگر یہ مستقلاً اس معنی میں نہیں ہے کہ خدا کی طرح معاذ اللہ، رسول بھی معبود ہوتا ہے۔ اللہ کا رسول معبود نہیں ہوتا وہ تو عبد ہوتا ہے۔ وہ مخلوق ہوتا ہے، خالق نہیں ہوتا، وہ تو خدا نہیں ہوتا خدا نما ہوتا ہے۔

بات یہ ہے کہ جس طرح اللہ کے حکم پر تم کوئی دلیل طلب کرنے کا حق نہیں رکھتے، اسی طرح رسول کے حکم پر بھی تم کوئی دلیل طلب کرنے کا حق نہیں رکھتے۔ اس اعتبار سے ہم رسول کی اطاعت کو مستقل کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے وہ حکم تو رسول کا اپنا ذاتی ہوگا ہی نہیں، وہ تو اللہ ہی کا حکم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہمیں رسول کی زبان سے ملے گا۔ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ رسول ہونے کی حیثیت سے رسول جو کچھ کہے گا وہ شرع کی دلیل قرار پائے گا۔ اسی لیے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو حجت شرعیہ سمجھتے ہیں اور ہمارا مسلک یہ ہے کہ قرآن میں سب کچھ ہے مگر اُس کی وضاحت حدیث میں ہے اور حدیث میں بھی سب کچھ ہے مگر اس کی وضاحت مجتہدین اور فقہاء کے اجتہادات میں ہے اور اُن کی فقہ میں ہے۔ جس طرح کہ قرآن کا فہم اور قرآن پر عمل حدیث کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح احادیث کا فہم اور احادیث پر عمل کرنا یہ فقہا اور مجتہدین کے اجتہادات اور اُن کی فقہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ تو اس وقت اتنا موقع نہیں کہ میں ان تفصیلات میں جاؤں۔ میں نے اجمالی طور پر آپ کی خدمت میں عرض کر دیا ہے۔ بہر حال مجھے بتانا یہ تھا کہ نبی عام بشری کمزوریوں سے بالکل پاک ہوتا ہے اور نبی بشر ضرور ہوتا ہے مگر وہ بے عیب بشر ہوتا ہے۔ نبی عبد ضرور ہوتا ہے مگر ایسا عبد ہوتا ہے جو تمام عباد اللہ میں ممتاز، سب سے افضل اور اعلیٰ ہوتا ہے اور عباد اللہ کے درمیان واسطہ ہوتا ہے اور وہ آئینہ ہوتا ہے۔ حسنِ الوہیت کا اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے انعام کی جو ابتدا ہوتی ہے وہ انبیا سے ہوتی ہے اسی لیے اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّطِعَ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُوْلٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ. (سورۃ النساء ۶۹، پارہ ۵)

اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اُسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی انبیا اور صدیقین اور شہدا اور نیک لوگ۔

کیونکہ نبوت پہلا انعام ہے اور نبوت سے صدیقیت کا ظہور ہوگا اور صدیقیت سے پھر شہادت اور صالحیت کا ظہور ہوگا۔ مجھے کہنے دیجیے کہ یہ صالحیت ہو یا شہادت یا صدیقیت ہو یہ سب نبوت کا حسن ہیں اور نبوت بتمامہا یہ الوہیت کا حسن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کو اپنے الوہیت کا آئینہ بنایا۔ اللہ کے کلام کا جلوہ اللہ کے نبی کی ذات میں نظر آتا ہے۔ جب تک اللہ کا کلام، اللہ کا نبی ہمیں نہ سُنائے ہمیں اللہ کے کلام کا علم ہی نہیں ہوسکتا۔ اللہ اپنے علم کا جلوہ اپنے نبی کو دیتا ہے۔ اپنی قدرت کا مظہر اپنے نبی کو بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے جلوے اپنے نبی کو عطا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام نیکیاں اور خوبیاں اور تمام اوصاف حسنہ اور تمام کمالات کا آئینہ اپنے نبی کو بناتا ہے۔ پھر اُس نبی سے ظہور ہوتا ہے تو صدیقین کا جلوہ سامنے آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حسنِ الوہیت کے جلوے ہمیں انبیا میں نظر آتے ہیں اور نبوت کے حسن کے جلوے ہمیں صدیقین میں نظر آتے ہیں۔

صدیقیت کا کمال، شہادت کا کمال اور صالحیت کا کمال، ان سب آئینوں میں جو ہم دیکھ رہے ہیں خدا کی قسم اُن سب کا منتہا نبوت کا مقام ہے اور نبوت اور کمالاتِ نبوت کو جو منتہا ہے وہ بارگاہِ الوہیت ہے۔

بہر نوع مجھے کہنے دیجیے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو ایسی صفت عطا فرمائی کہ جس صفت کی بنا پر وہ تمام کائنات میں ممتاز ہے۔ نبی کو خدا سمجھنا یا خدا کا شریک سمجھنا یا خدا کا بیٹا سمجھنا شرک ہے کوئی مسلمان اس کا قائل نہیں ہے۔ نبی خدا نہیں ہوتا۔ خدا نما ہوتا ہے یعنی خدا کے احکام کی طرف راہنمائی فرماتا ہے۔ خدا کی معرفت عطا فرماتا ہے۔ نبی واجب الوجود نہیں ہوتا بلکہ وہ ممکن ہوتا ہے، نبی قدیم نہیں ہوتا وہ حادث ہوتا ہے۔ نبی خالق نہیں ہوتا، بلکہ وہ مخلوق ہوتا ہے۔ اور نبی معبود نہیں ہوتا بلکہ وہ عبد ہوتا ہے۔ مگر ایسا عبد کہ تمام عباد میں ممتاز اور ایسا بشر کہ تمام بنی نوع بشر سے ممتاز، بے عیب اور بے نقص۔ تو اللہ تعالیٰ نبوت کے لیے ایک ایسے مقدس انسان کو منتخب فرماتا ہے جو کمالات انسانیت سے متصف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُس میں تمام علمی اور عملی استعداد کو پیدا فرما دیتا ہے۔ اور اسی لیے قرآن کریم میں ایک اور مقام پر فرمایا:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ. (سورۃ الانعام آیت ۱۲۵)

''اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کو کہاں رکھے۔''

معلوم ہوا ''جعل رسالت'' کے لیے ایک خاص محل ہوتا ہے اور وہ محل وہ ہے کہ جو جسمانی، روحانی، ظاہری اور باطنی طور پر اعلیٰ، اکمل اور اعظم ہوتا ہے۔ میں مختصر طور پر عرض کروں گا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کمالات کا ظہور صدیقین میں ہوا شہدا اور صلحا میں ہوا۔ یہ نبوت کا آئینہ صدیقیت کا حسن اپنے اندر رکھتا ہے اور صدیقین کمالِ نبوت کا مظہر ہیں۔

اور مجھے کہنے دیجیے کہ جتنے صدیقین ہوئے اور اُمتِ مسلمہ میں صدیق اکبر جناب ابوبکر صدیق، اُن کا کمالِ صدیقیت یہ حضور ﷺ کے کمالِ نبوت کے حسن کا ظہور ہے۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق جن کو اللہ تعالیٰ نے صدیقیت کے علاوہ شہادت بھی عطا فرمائی۔ یہ بھی حسنِ نبوت کا ظہور ہے اور اسی طرح حضرت عثمان غنی کو اللہ تعالیٰ نے حسنِ صدیقیت کے ساتھ حسن شہادت سے بھی نوازا۔ وہ

بھی جمالِ نبوت ہے اور مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اللہ تعالیٰ نے حسنِ صدیقیت کے ساتھ حسنِ شہادت بھی اُن کو عطا فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ بیت اطہار، صحابۂ کرام اور ازواجِ مطہرات کو ان تمام خوبیوں سے نوازا۔ اور مجھے کہنے دیجیے کہ حضرت امام حسن اور امام حسین کی جو شہادت ہے وہ شہادت محمدی کا ظہور ہے۔ اس موضوع پر اور کچھ زیادہ تفصیل سے عرض نہیں کرسکتا۔ اتنا عرض کروں گا کہ دیکھیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی شہید فرمایا: وَهُوَ بِكُلِّ شَيْئٍ شَهِيْد اور رسول کے حق میں شہید کا لفظ ارشاد فرمایا اور ارشاد فرمایا: وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْداً۔ اور اسی طرح مومنین کے حق میں فرمایا: لِتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔

اللہ بھی شہید ہے، رسول بھی شہید ہے اور مؤمنین بھی شہید ہیں۔ تو اب شہید کا مفہوم کیا ہے؟ اگر یہ کہیں کہ فقط مقتول فی سبیل اللہ کو شہید کہا جائے یعنی جو اللہ کی راہ میں مقتول ہو جائے، تو پھر نہ اللہ شہید ہوسکتا ہے نہ رسول شہید ہوسکتا ہے اور نہ تمام مؤمنین شہید ہوسکتے ہیں۔ اصل میں شہید کے معنیٰ ہیں:

الشهادة والشهود: الحضور مع المشاهدة اما بالبصر او بالبصيرة

(مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی، مطبوعہ اہل حدیث اکادمی لاہور ص۵۵۳)

یعنی شہادت اور شہود کے یہ معنی ہیں کہ حاضر ہونا اور فقط حاضر ہونا نہیں بلکہ مشاہدے کے ساتھ حاضر ہونا، دیکھتے ہوئے، سُنتے ہوئے اور جانتے ہوئے حاضر ہونا، یہ ہے شہادت اور شہود، تو میں مختصر طور پر عرض کرتا ہوں کہ اللہ کے شہید ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم وقدرت، اپنی حکمت اور سمع وبصر کے ساتھ تمام کائنات پر حاضر ہے کائنات کا کوئی ذرہ ایسا نہیں ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ اپنے علم و قدرت اور اپنی سمع وبصر کے ساتھ حاضر نہ ہو۔ اسی لیے ہم اللہ کے لیے حاضر وناظر کا لفظ استعمال کرجاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ شہید ہے کہ وہ اپنی کائنات اور اپنے بندوں پر حاضر ہے اور مؤمنین شہید ہیں اس اعتبار سے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عظمت پناہ میں محل عزت پر حاضر ہیں۔ اس لیے مؤمنین کو شہید کہا گیا اور مقتولین فی سبیل اللہ ان کے لیے تو خاص قسم کا محلِ عزت اور محلِ کرامت مقرر فرمایا ہے جو خدا کی بارگاہ میں ہے اور جب یہ لوگ خدا کی بارگاہ میں اُس محلِ عزت اور محل کرامت پر پہنچیں گے جو ان مقتولین فی سبیل اللہ کے لیے خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے تیار کیا ہے تو یوں کہیے کہ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے اور اس محلِ کرامت میں خدا کے سامنے موجود ہوں گے۔ تو جس قدر بھی مؤمنین مقتول فی سبیل اللہ ہیں اُن کے شہید ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اپنے مرتبے اور اپنے منصب کے مطابق یہ محل کرامت اور محلِ عزت پر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ تو یوں کہیے کہ بندے کا حاضر ہونا بندے کا شہید ہونا بایں معنی ہے کہ وہ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہے اور خُدا کا شہید ہونا اس معنی میں ہے کہ وہ اپنے بندوں پر حاضر ہے۔ خدا بندوں پر حاضر ہے اس لیے شہید ہے اور بندے مؤمنین مقتولین فی سبیل اللہ اپنے اپنے مناصب اور اپنے اپنے مراتب اور درجات کے اعتبار سے محل کرامت پانے کے لیے اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔ لہٰذا یہ شہید ہے تو مومن اس لیے شہید ہے کہ وہ رب کی بارگاہ میں حاضر ہے اور رب اس لیے شہید ہے کہ وہ اپنے بندوں پر حاضر ہے اور رسول بھی شہید ہیں۔ قرآن نے کہا:

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْداً (پارہ۲)

رسول کے شہید ہونے کا مقصد کیا ہے تو میں آپ کو بتادوں کہ اُس کے شہید ہونے کا مقصد یہ ہے کہ ہم تو خُدا پر حاضر اور خُدا ہم پر حاضر اور رسول ہم پر بھی حاضر اور خدا پر بھی حاضر، رسول بندوں پر بھی حاضر ہے کیونکہ اگر بندوں پر حاضر نہ ہوتا تو خدا کے ہاں وہ گواہی کیسے دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَابِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاءِ شَهِيْداً. (پارہ۵)

ہر نبی اپنی امت پر شہید ہوتا ہے اور گواہ ہوتا ہے۔ اگر نبی اپنی امت اور اپنے غلاموں پر حاضر نہ ہو تو ان کی شہادت رب کی بارگاہ میں دے نہیں سکتا اور اگر وہ خدا پر حاضر نہ ہو تو اُس کی شہادت بندوں کے سامنے دے نہیں سکتا۔ اس لیے نبی خدا پر بھی حاضر ہے اور بندوں پر بھی حاضر ہے۔ خدا کی بات بندوں کو پہنچاتا ہے اور بندوں کی بات خدا کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے۔ اور اسی بنا پر اُس کو شہید ہونے کا منصب حاصل ہوتا ہے۔ قرآنِ کریم کی آیت اس مضمون کی طرف اشارہ کررہی ہے کہ ''**ويكون الرسول عليكم شهيدا**'' اور ''**فكيف اذا جئنا الخ**''

بہرحال میں عرض کررہا تھا کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام منصب نبوۃ پر جب فائز ہوتے ہیں تو انسانی تخلیق کے مقصد کی تکمیل کے لیے فائز ہوتے ہیں تو اس لیے اللہ تعالیٰ اس کام کو انجام دینے کے لیے اُنہیں کامل علم عطا فرماتا ہے اور اُن کا کامل علم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت آدم کے متعلق فرمایا:

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا (پارہ1)

حضرت ابراہیم کے بارے میں فرمایا:

وكذلك نرى ابراهيم ملكوت السموت والارض (پارہ7)

اور اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا:

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْماً (پارہ5)

میں عرض کررہا تھا کہ کامل علم جب تک نہ ہو نبی منصب رسالت کے مطابق کام انجام نہیں دے سکتا اور نبی کے قویٰ اور نبی کا علم اگر کامل نہ ہو تو وہ ان تمام منصب کی تکمیل نہیں کرسکتا۔ نبی کو اللہ تعالیٰ اتنی روحانی قوت عطا فرماتا ہے کہ وہ اپنی اُمت اور اپنے غلاموں کے قلوب کا تزکیہ کرتا ہے اگر نبی کی روحانیت اکمل نہ ہو، نبی کی روحانیت اقویٰ نہ ہو تو کیسے وہ ہمارا تزکیہ فرماسکتا ہے۔ قرآن نے کہا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ آيَةً وَيُزَكِّيْهِمْ. (پارہ4)

تو اس آیت میں صاف واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نبیوں کو اس لیے بھیجتا ہے اور اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے بھیجا کہ ہمارے نفس کا تزکیہ کریں۔ ہمارے باطن کو پاک کریں جب تک اُن کی روحانیت اتنی قوی نہ ہو کہ اُس کا اثر ہمارے باطن تک پہنچے تو کس طرح ہم پاک ہوسکتے ہیں۔ ❑❑

شخصیت

محمد ثاقب رضا قادری ☆

قطبِ لاہور مولانا غلام قادر بھیروی — حیات وخدمات (قسط-1)

استاذ العلما، شمس الفضلا، عمدۃ المحققین، زبدۃ العارفین، سراج السالکین حضرت مولانا مولوی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ المعروف مولانا غلام قادر قریشی ہاشمی چشتی قادری سیالوی بھیروی ثم لاہوری قدس سرہ العزیز[1] کی ولادت ۱۲۳۷ھ بمطابق ۱۸۲۲ء میں بھیرہ ضلع سرگودھا میں ہوئی[2]۔ والد گرامی کا نام مولانا عبدالحکیم بن مولانا جان محمد بن مولانا محمد صدیق تھا[3]۔ آپ کے دو بھائی مولوی غلام حیدر اور مولوی غلام حسن صاحب تھے ان میں موخر الذکر عین عنفوان شباب میں واصل باللہ ہو گئے جب کہ اول الذکر مولانا بھیروی کے وصال کے بعد کچھ عرصہ تک بقید حیات رہے۔ آپ کے خاندان کا علمی شہرہ کئی پشتوں سے اکناف واطراف میں پھیلا ہوا تھا چنانچہ سالہا سال سے سینکڑوں تشنگان علم آپ کے خاندان کے چشمۂ فیض سے علمی فیضان حاصل کرتے رہے۔ (ملخصاً راحۃ الخاطر فی ترجمۃ غلام قادر از اختر سلیمان قریشی۔ ص:۷)

مولانا نے ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی سے ہی حاصل کی جب دس برس کے ہوئے تو حسب ارشاد والد گرامی ایک طالب علم کے ہمراہ ایک گائے بھیرہ کے نواحی گاوں چک قاضی چھوڑنے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک نورانی صورت والے بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ اس نورانی صورت بزرگ (مولف تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور نے حضرت خضر علیہ السلام کا نام تحریر کیا ہے، ص۲۲۳) نے آپ سے نہایت شفقت آمیز لہجہ میں فرمایا:

''بیٹا! تیری پیشانی سے تو انوار علم درخشاں ہیں تو مویشی کیوں ہانک رہا ہے؟ جا اس کام کو چھوڑ کر علم دین حاصل کر اور مخلوق خدا کو فیض پہنچا۔''

اس واقعہ کے بعد آپ کی طبیعت کا میلان علم دین کے حصول کی طرف اس قدر ہوا کہ والدین سے باصرار اجازت لے کر ایک تاجر کے ہمراہ دہلی روانہ ہوئے اور حضرت مفتی صدر الدین آزردہ دہلوی کی خدمت میں چودہ برس رہ کر جملہ علوم نقلیہ وعقلیہ کی تکمیل کی اور سند فضیلت حاصل کر کے بھیرہ واپس ہوئے۔ (ملخصاً راحۃ الخاطر، ص ۷ تا ۹۔ فوز المقال، ج ۱ ص ۵۹۳۔ مولف تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور نے لکھا ہے کہ پہلے آپ نے لاہور کا رُخ کیا اور مولانا غلام محی الدین بگوی اور مولانا احمد الدین بگوی

---

[1] مؤلف تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور کے مطابق یہ تحریر مولانا کی لوح مزار پر کندہ ہے ص۲۳۲ جب کہ راقم نے مورخہ ۲۳ ستمبر ۲۰۱۲ء قبلہ بھیروی صاحب کے مزار پر حاضری دی تو یہ تحریر کتبہ پر نقش پائی ''مرکز انوار شمسیہ حضرت مولانا غلام قادر بھیروی چشتی نظامی سیالوی خلیفہ حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی، سیال شریف''۔ عین ممکن ہے کہ جدید تعمیر میں تحریر بدل دی گئی ہو۔ فقیر قادری غفرلہ

[2] مولانا کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے اکثر تذکرہ نویسوں نے ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء تحریر کیا ہے جن میں علامہ عبدالحکیم شرف قادری، مولانا غلام مہر علی گولڑوی شامل ہیں۔ تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور اور تذکرہ علمائے پنجاب کے مؤلفین نے سن ولادت کا ذکر نہیں کیا، نیز بنیادی ماخذ ''راحۃ الخاطر'' میں بھی اس بابت کچھ تحریر نہیں ہے۔ ''فوز المقال فی خلفائے پیر سیال'' کے مؤلف نے اس بابت کچھ تحقیق کی مگر راقم کے نزدیک ان سے بھی اس معاملے میں تسامح ہوا۔ مؤلف فوز المقال نے مولانا کی تاریخ ولادت ۱۲۱۴ھ بمطابق ۱۸۲۵ء تحریر کی ہے جبکہ ۱۲۱۴ھ میں عیسوی سن ۱۷۹۹ء بنتا ہے نہ کہ ۱۸۲۵ء۔ مزید حاشیہ میں تحریر کرتے ہیں: ''مولانا غلام مہر علی صاحب نے سن ولادت شریف کہاں سے دریافت فرمایا یا ماخذ کیا ہے؟ اس سوال کا جواب کہ ولادت ۱۲۶۵ھ ہے مولانا موصوف ہی بہتر دے سکتے ہیں۔ مولف نے الیواقیت المہریہ کے مصنف حضرت مولانا غلام مہر علی گولڑوی مدظلہ سے رابطہ کیا تو جواب ندارد۔ مصنف الیواقیت المہریہ نے حضرت مولانا بھیروی کے حالات میں سن ولادت ۱۲۶۵ھ لکھا ہے۔'' (فوز المقال، ج ۱، ص ۵۹۲)

''راحۃ الخاطر'' میں مولانا بھیروی کا سن وصال ۱۳۲۶ھ اور عمر وصال ۸۶ برس تحریر ہے۔ محترمی مرید احمد چشتی صاحب کو بھی اس سے اتفاق ہے اور راحۃ الخاطر کے متعلق وہ تحریر کرتے ہیں: ''عاجز کی رائے ہے کہ مذکورہ کتاب کے مندرجات صحت وتحقیق کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب'' (ایضاً) مگر اس قدر تحقیق وتفتیش کرنے کے بعد بھی محترم مرید احمد چشتی صاحب مولانا کا سن ولادت برآمد کرنے میں خطا کھا گئے کیونکہ سن وصال ۱۳۲۶ھ اور عمر شریف ۸۶ برس تسلیم کی جائے تو مولانا کا سن ولادت ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۲ء برآمد ہوتا ہے نہ کہ ۱۲۱۴ھ/ ۱۷۹۹ء۔ جیسا کہ ہم نے اوپر تحریر کیا بحمد اللہ تعالیٰ۔ واللہ اعلم بالصواب۔ فقیر قادری

[3] ''فوز المقال فی خلفائے پیر سیال'' از مرید احمد چشتی، جلد اول ص: ۵۹۲ مطبوعہ ادارہ تعلیمات اسلاف، لاہور۔

یہاں بعض تذکرہ نویسوں سے سہو واقع ہوا ہے جس کا ذکر کرنا نہایت ضروری ہے۔ علامہ شرف قادری صاحب نے اپنی کتاب تذکرہ اکابر اہل سنت، ص:۳۲۶ مطبوعہ مکتبہ قادریہ، لاہور، اقبال فاروقی صاحب نے اپنی تالیف تذکرہ علمائے اہل سنت لاہور، ص:۲۲۳ مطبوعہ مکتبہ نبویہ، لاہور اور تذکرہ علمائے پنجاب مولفہ اختر راہی ص:۴۶۹ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور میں مولانا بھیروی کے والد گرامی کا نام مولانا غلام حیدر لکھا ہے جو کہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ مولانا کے احوال پر سب سے اولین کتاب ''راحۃ الخاطر فی ترجمۃ غلام قادر'' مولانا بھیروی کے وصال کے تقریبا ۵۰ سال بعد صاحبزادہ اختر سلیمان قریشی (سجادہ نشین وخطیب بیگم شاہی مسجد، لاہور) نے آپ کے مریدین ومتوسلین کے تعاون سے ترتیب دی جو کہ بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اس میں مولانا کے والد گرامی کا نام عبدالحکیم، دادا کا نام مولوی جان محمد اور پردادا کا نام مولوی محمد صدیق لکھا ہے۔ (راحۃ الخاطر، ص:۷ مطبوعہ ادارہ اہل سنت و جماعت، لاہور) مزید نامور محقق مولانا غلام مہر علی صاحب گولڑوی نے اپنی تصنیف ''الیواقیت المھریہ شرح الثورۃ الھندیہ'' میں بھی مولانا کے والد کا نام عبدالحکیم لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہیں: ''و من اعاظم علمائنا العارفین المحققین من الاستاذ الشھیر فی الآفاق رافع الاعلام علی جبال الکمال العلامۃ العارف مولانا غلام قادر البھیروی ثم الاھوری رحمہ اللہ والد العالم الربانی والعارف الصمد انی العلامۃ غلام قادر القریشی الھاشمی القادری الجشتی النظامی السیالوی البھیروی ابن مولانا عبدالحکیم'' (ص:۱۳۹ مطبوعہ مکتبہ مہریہ، چشتیاں) تاہم مولانا کے بھائی کا نام مولوی غلام حیدر تھا جن کا ذکر مولانا کے تلامذہ کی فہرست میں بھی ملتا ہے اور یہ مسجد خراسیاں، لاہور کے امام وخطیب رہے۔ (ملخصاً راحۃ الخاطر:۲۰) فقیر قادری غفرلہ

☆ ای میل: saqib1126@hotmail.com

سے تحصیل علم کی اور بعد ازیں دہلی کا رُخ کیا۔ ملخصاً تذکرہ علمائے اہلسنت لاہور، ص: ۲۲۳)

اس زمانے میں سیال شریف ضلع سرگودھا میں قطب الا قطاب شمس بازغہ حضرت خواجہ شمس الدین چشتی سیالوی علیہ الرحمۃ جلوہ فرما تھے اور تشنگان معرفت اور طالبان عشق حقیقی جوق در جوق اس سرچشمۂ فیوض و برکات کی خدمت سراپا برکت میں پہنچ کر فائز المرام ہوتے تھے۔ حضرت خواجہ کا شہرہ چہار دانگ عالم میں پھیلا ہوا تھا۔ آپ تصوف کے مشہور خاندان چشت اہل بہشت کے درخشاں آفتاب تھے اور حضرت شیخ المشائخ خواجہ شاہ سلیمان تونسوی علیہ الرحمۃ کے نامور خلفا سے تھے۔ مولانا بھیروی کی قلبی وارفتگی اسی خاندان سے نسبت ارادت حاصل کرنے کی طرف تھی چنانچہ دہلی سے بھیرہ واپسی پر آپ نے بیعت کے قصد سے سیال شریف کا رُخ کیا، حضرت خواجہ کے رُوبرو حاضر ہوئے تو خواجہ صاحب نے پہلی ہی نظر میں مولانا کی استعداد کو جانچ لیا کہ اگر اس جوان کی تربیت کی جائے تو یہ مہرِ تاباں کی طرح ایک جہان کو منور کرے گا چنانچہ بیعت لی اور حضرت خواجہ نے اپنی خصوصی نظرِ عنایت سے سرفراز فرما کر کمالات ظاہری و باطنی سے مالا مال کر دیا۔ کچھ عرصہ مزید سیال شریف میں قیام کیا اور مرشد اکمل کی بارگاہ سے جاری ہونے والے فرمودات پر عمل کرتے ہوئے خوب مجاہدات و ریاضات کیے، جب واپس ہونے لگے تو خواجہ صاحب نے ارشاد فرمایا: ''مولوی صاحب! آپ کا نکاح دریائے جہلم کے کنارے ایک گاؤں میں ہوگا۔''

بھیرہ واپس ہوئے تو والد گرامی کے ایک عزیز مولوی شیر محمد (ساکن راجڑ، ضلع جہلم) کی دختر نیک اختر کا رشتہ مولانا کے لیے آیا جس کو مولانا بھیروی نے مرشد کامل کی پیشین گوئی کا ظہور سمجھتے ہوئے قبول کر لیا۔ (ملخصاً راحۃ الخاطر: ۱۳۔ فوز المقال، ج ۱، ص: ۵۹۳-۵۹۴)

اللہ عزوجل نے آپ کو اولاد کی نعمت سے مالا مال کیا چنانچہ آپ کے چار صاحبزادے (مولانا عبد العلی صاحب، مولانا رفیع الدین صاحب، مولانا زین العابدین اور مولانا قربان محمد صاحب) اور تین صاحبزادیاں تھیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا بھیروی نے گورداس پور میں ایک دینی مدرسہ کی بنیاد رکھی، دُور و نزدیک آپ کا شہرہ ہوا اور تشنگان علم آپ سے فیضیاب ہونے لگے یہاں ایک ہندو راجہ نے بھی آپ سے اکتساب علم کیا۔ تاہم تعلیم و تدریس کا یہ سلسلہ زیادہ نہ چل سکا اور آپ کو کچھ خانگی معاملات کی وجہ سے اپنے آبائی علاقہ بھیرہ جانا پڑا۔ کچھ عرصہ بھیرہ میں مولانا احمد دین بگوی کے مدرسہ میں تدریس کی لیکن جلد ہی بھیرہ کا ایک تاجر آپ کو اپنے ہمراہ لاہور لے آیا اور واپس نہ جانے دیا۔ اس مدت میں مولانا نے مختلف مساجد میں دُروس ارشاد فرمائے اور اہالیانِ لاہور کے دل موہ لیے، لوگ اس قدر آپ کے گرویدہ ہوئے کہ آپ کو واپس نہ جانے دیا۔ زندہ دلان لاہور کی اس پُرخلوص دعوت کو آپ رد نہ کر سکے اور آپ نے اُونچی مسجد بھاٹی گیٹ لاہور میں باقاعدہ خطابت کا سلسلہ شروع کر دیا۔

آپ کی خطابت کا شہرہ ایسا ہوا کہ دُور دُور سے لوگ آپ کے خطاب سے مستفید ہونے کے لیے آتے۔ کچھ عرصہ بعد مائی جیواں متولیہ مسجد بیگم شاہی (واقع مستی گیٹ لاہور[1]) نے آپ کو اپنا متبنّیٰ بنا کر بیگم شاہی مسجد کی تولیت آپ کے سپرد کر دی۔ یوں اونچی مسجد بھاٹی گیٹ لاہور سے آپ بیگم شاہی مسجد، مستی گیٹ لاہور منتقل ہو گئے اور وعظ و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ یہاں آپ نے ایک انجمن حنفیہ قائم کی، جس نے بہت دینی خدمات سرانجام دیں، مسجد کے انتظامی معاملات کے ساتھ ساتھ کتب دینیہ کی اشاعت و ترسیل کا سلسلہ بھی وسیع پیمانہ پر ہوتا رہا۔ مشہور غیر مقلد مولوی محمد حسین بٹالوی نے خود کو حنفی ظاہر کر کے انجمن حنفیہ میں شامل ہونے کی سرتوڑ کوشش کی لیکن مولانا بھیروی نے انجمن حنفیہ کے اجلاس میں مولوی بٹالوی کی کتب سے اس کا مسلک امام اعظم سے انحراف ثابت کیا بالآخر وہ ناکام ہو کر لوٹا اور اس واقعہ کے بعد اس نے اپنا لقب ''حنفی اہل حدیث'' مشہور کر دیا۔ (راحۃ الخاطر: ۲۹ ملخصاً)

۱۸۷۹ء میں مولانا بھیروی نے اورینٹل کالج لاہور میں تدریس کا آغاز کیا اور دو سال تک طلبا کو علم و فضل سے فیضیاب کرتے رہے۔ انہی دنوں انگریزوں کو ایک فتوے کی ضرورت پیش آئی، متدین علما نے صاف انکار کر دیا، کالج سے متعلق علما سے رجوع کیا گیا تا کہ وہ وظیفہ خوار ہونے کی بنا پر انگریز کی منشا کے مطابق فتوے صادر کر دیں، مولانا بھیروی کے سامنے دستخط کرنے کے لیے فتویٰ پیش کیا گیا تو انہوں نے استعفیٰ پیش کر دیا اور فرمایا:

''میں ملازمت سے دستبردار ہو سکتا ہوں لیکن غلط فتوی کی تائید نہیں کر سکتا۔''

چنانچہ آپ نے جامعہ نعمانیہ لاہور میں درس و تدریس کا کام شروع کر دیا اور تمام تر توجہ قرآن و حدیث کی تعلیم پر صرف کر دی۔ (تذکرہ اکابر اہل سنت از علامہ عبد الحکیم شرف قادری، ص: ۳۲۷ مطبوعہ اویسی بک سٹال، گوجرانوالہ)

[1] بیگم شاہی مسجد مغلیہ طرز تعمیر کی ایک حسین یادگار ہے۔ یہ مسجد ملکہ مریم زمانی زوجہ شہنشاہ محمد اکبر جلال الدین نے ۱۰۲۴ھ/ ۱۶۱۵ء میں تعمیر کروائی۔ مغل شہنشاہ نور الدین جہانگیر کے عہد میں یہ مسجد بالکل بوسیدہ اور شکستہ ہونے کے سبب بالکل بے آباد اور ویران ہو چکی تھی، سکھ اپنے عہد حکومت میں اسے بطور بارود خانہ استعمال کرتے رہے چنانچہ اس وجہ سے اس کا نام ''بارود والی مسجد'' مشہور ہو گیا۔ اس کی ملحقہ زمین پر بھی ناعاقبت اندیشوں نے قبضہ کر لیا۔ پنجاب پر انگریزوں کے قبضہ کے بعد ۱۸۵۰ء میں ڈپٹی کمشنر، لاہور نے اسے مسلمانوں کے حوالے کر دیا۔ سرکاری طور پر اس مسجد کی متولیہ ایک معمر بیوہ خاتون مائی جیواں تھی۔ مائی جیواں نے اس مسجد کی آبادکاری کے لیے بہت کوشش کی، ضعیف ہونے کے سبب مائی جیواں کو مسجد کی تولیت کی فکر لاحق رہتی تھی چنانچہ ایک رات اس نے خواب دیکھا کہ مسجد میں ایک شیر بیٹھا ہے، انہی دنوں میں میاں فضل الدین جو کہ مائی جیواں کے رشتہ دار تھے، مائی صاحبہ کو مشورہ دیا کہ مولانا بھیروی کو مسجد کی تولیت سپرد کر دی جائے۔ مائی صاحبہ مولانا کی دینی خدمات سے پہلے ہی متاثر تھیں چنانچہ اس نے ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۶ء میں سرکاری طور پر رجسٹرار، لاہور کے رُوبرو آپ کو مسجد کا متولی اور مختار کل بنا دیا۔ (راحۃ الخاطر: ۲۵۔۲۲ ملخصاً) قدیم لاہور کے ۱۳ دروازے تھے جن میں سے ایک مستی دروازہ ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یوں ہے کہ اس دروازے کے ساتھ ہی بیگم شاہی مسجد واقع ہے۔ پنجابی زبان میں ''مسجد'' کو ''مسیت'' کہتے ہیں اس وجہ سے اس دروازہ کا نام ''مسیتی دروازہ'' یا ''مسجدی دروازہ'' پڑ گیا جو کہ کثرت استعمال سے ''مستی دروازہ'' معروف ہو گیا۔ یہ دروازہ لاہور کے مشہور شاہی قلعہ کی مشرقی جانب واقع ہے۔ فقیر قادری غفرلہ

آپ کے تلامذہ میں بڑی بڑی نامور شخصیات شامل ہیں جن میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:

امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مولانا غلام احمد صاحب (مدرس اعلیٰ جامعہ نعمانیہ لاہور)، مولانا نبی بخش حلوائی (مصنف تفسیر نبوی ۱۶ جلد)، مولانا عبداللہ سلطانی (شارح کنز الدقائق)، شیر ربّانی میاں شیر محمد صاحب شرقپوری (آستانہ عالیہ شرقپور شریف)، قطب مدینہ ضیاء الدین مدنی (خلیفہ مجاز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی)، مولانا محمد عالم امرتسری، علیہم الرحمۃ۔

مولانا بھیروی کے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے ساتھ بھی روابط تھے گو کہ ملاقات ثابت نہیں تاہم آپ فاضل بریلوی کی دینی خدمات کو بہت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ان یعنی وہابیہ کے سرکوب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی ابقاہ اللّٰہ کافی ہیں۔ انھوں نے ایک سواسّی (۱۸۰) رسائل لکھے، ایک رسالہ کا نام ''دوسوتازیانہ برفرق جہول زمانہ'' ہے۔ اسماعیل اور رشید گنگوہی پر دوسو (۲۰۰) اعتراض کیے ہیں یہ امکان کذب باری تعالیٰ کے قائل ہیں۔ ''فتاوی حرمین'' جوندوہ کی تخریب کے واسطے بہ مواہیر علمائے حرمین لکھا گیا اس میں سارا کفر اور زندقہ ان کا ظاہر کر دیا اور رسالہ ''الفضل الموہبی'' صحت حدیث کا معیار ہو گیا۔ ''احیاء الموات'' میں سماع موتیٰ واستمد اداز اہل قبور ثابت کر دیا، اہل دین کو چاہیے کہ ان رسائل کی اشاعت کریں اور ایسے علما کی امداد کریں کہ عام لوگ ان خوارج کے شر سے محفوظ رہیں۔ اپنے ایمان کو شر شیاطین سے بچائیں یہی لوگ دجالوں کذّابوں سے ہیں۔''
(ناصح العباد مع نافع العباد در جواب دافع الفساد مولفہ، ص ۱۳ مطبوعہ ہندوستان پریس، لاہور)

مولانا بھیروی اپنی تقریر اور تحریر کے ذریعے باطل فرقوں کا بہت شدت سے رد فرماتے تھے، اگر مسجد میں کوئی بدمذہب گھس آتا تو مولانا بھیروی اس کو مسجد سے نکلوا دیتے۔ ۱۳۱۲ھ بمطابق ۱۸۹۴ء میں آپ نے اپنی مسجد بیگم شاہی (مستی گیٹ لاہور) میں سنگ مرمر کے کتبہ پر ایک قرارداد لکھوا کر آویزاں کرائی جو کہ آج بھی موجود ہے، قرارداد یہ ہے:

''باتفاق انجمنِ حنفیہ وحکم شرع شریف یہ قرار پایا کہ کوئی وہابی، رافضی، نیچری یا مرزائی مسجد ھذا میں نہ آئے اور خلاف مذہب حنفی کوئی بات نہ کرے۔''

مولوی اللہ وسایا دیوبندی لکھتا ہے:

''رد مرزائیت میں پنجاب میں سب سے پہلے آپ نے ہی یہ فتوی جاری فرمایا کہ قادیانیوں کے ساتھ مسلمان مرد یا عورت کا نکاح حرام و ناجائز ہے۔ بعد میں علمائے دین ومفتیان شرعِ متین نے اسی فتوی مبارکہ سے استفادہ کرتے ہوئے مرزائیوں سے مناکحت تزویج کو ناجائز اور ان سے میل جول اور ذبیحہ تک کو حرام قرار دیا۔ مرزا نے جب نبوت کا دعوی کیا اور حکیم نورالدین نے اس کی تائید کی تو آپ نے حکیم نورالدین کا ایسا ناطقہ بند کیا کہ آپ کی موجودگی میں اسے کبھی بھیرہ میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ (تذکرہ مجاہدین ختم نبوت مرتبہ مولوی اللہ وسایا دیوبندی، صفحہ ۲۳۰ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کراچی، طبع دوم ۲۰۰۸)

یاد رہے کہ حکیم نورالدین بھیروی مولانا بھیروی کا رشتہ دار تھا، مرزائیت قبول کرنے سے قبل انجمن نعمانیہ میں کتب خانہ کا قیام اسی کی کوششوں سے ہوا بلکہ اس نے اپنی ذاتی کتب کا عطیہ بھی پیش کیا۔ (صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور مرتبہ اقبال احمد فاروقی: ۶۳ ملخصاً)

مولانا غلام قادر بھیروی ایک صاحب کرامت ولی تھے۔ پیر غلام دستگیر نامی نے لکھا ہے کہ '' آپ کو لاہور کا قطب سمجھا جاتا تھا۔'' (بزرگان لاہور مولفہ پیر غلام دستگیر نامی: ۱۸۱ مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، لاہور)

راحۃ الخاطر فی ترجمۃ غلام قادر میں آپ کی تقریباً ۴۲ کرامات منقول ہیں، ہم یہاں صرف ایک کرامت کا ذکر کر رہے ہیں۔

ایک دفعہ ایک عیسائی مبلغ ماہر علوم عربیہ اسلامی لباس پہن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، وہ اس طرح بھیس بدل کر اور اپنے علم وفضل کی سندات دکھا کر کسی خاص مقصد کے لیے متعدد علما سے سندات حاصل کر چکا تھا۔ آپ کی خدمت میں بھی وہ اسی غرض سے آیا تھا۔ شاید علما کی سندات کے ذریعے سے وہ اسلامی ممالک میں اثر پیدا کر کے اپنے لیے تبلیغ کا راستہ ہموار کرنا چاہتا ہوگا لیکن آپ نے اپنی باطنی آنکھوں اور چشم بصیرت سے اس کی اصلی حالت کو معلوم کر لیا اور فرمایا:

''جب تک ایک شخص ایماندار نہ ہو اس کا علم وفضل کسی کام کا نہیں، میں ایسے شخص کو کس طرح سند دے سکتا ہوں جو مسلمان ہی نہیں۔''

یہی نہیں بلکہ آپ نے اس سے دوسرے علما کی سندات بھی حاصل کر لیں اور اسے واپس دینے سے انکار کر دیا۔ وہ شخص اپنی پردہ دری سے اس قدر شرمندہ ہوا کہ کچھ نہ کر سکا اور خائب وخاسر واپس ہوا۔ (فوز المقال مولفہ مرید احمد چشتی، جلد اول، ص: ۶۱۰)

تصانیف:

اسلام کی گیارہ کتابیں المعروف بہ ''سلسلہ اسلام قادری حنفی'' کی حقیقت:

مولانا بھیروی علیہ الرحمۃ کی کتب کا تعارف کروانے سے قبل ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ مولانا بھیروی کی طرف منسوب ایک کتاب ''اسلام کی گیارہ کتابیں'' یا ''سلسلہ قادری'' کے نام سے طبع ہونے والی گیارہ کتب کی سیریز کی حقیقت کو واضح کر دیا جائے۔ ۱۹۹۸ء میں اہل سنت کے ایک معروف اشاعتی ادارہ نوری کتب خانہ، لاہور نے ایک کتاب بنام ''اسلام کی گیارہ کتابیں'' شائع کی جس کے آغاز میں ''پہلی بات'' کے عنوان سے ناشر کتاب مہتمم ادارہ سید محمد عثمان نوری لکھتے ہیں:

''ادارہ اب آپ کی خدمت میں حضرت مولانا غلام قادر بھیروی کی مشہور زمانہ روزمرہ زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے فقہی حل پیش کرنے والی کتاب المعروف ''سلسلہ اسلام قادری حنفی'' آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔ قبل ازیں یہ کتاب گیارہ علیحدہ حصوں میں شائع ہوئی تھی مگر ہم نے اسے یک جا کر کے اور اس کے ساتھ مصنف علیہ الرحمۃ کے حالات زندگی اور فہرست مضامین کا اضافہ کیا ہے۔'' (اسلام کی گیارہ کتابیں، ص ۴ مطبوعہ نوری کتب خانہ، لاہور)

اقتباس بالا سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ''اسلام کی گیارہ کتابیں'' (مجلد) ناشر کی اپنی مرتب کردہ ہے اور قبل ازیں یہ الگ الگ حصوں میں شائع ہوتی تھی۔

رہی بات ''سلسلہ قادری حنفی'' کے نام سے طبع ہونے والی کتب سیریز، تو اس ضمن میں ہم نہایت وثوق سے کہتے ہیں کہ اس سیریز کو مولانا بھیروی کی تصنیف وترتیب قرار دینا بھی درست نہیں۔ کیونکہ اکثر تذکرہ نویسوں نے اس کو مولانا بھیروی کی ''تصنیف'' قرار دیا ہے لہذا ہم اس کے متعلق اپنی رائے کو کسی درجے تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔

سلسلہ اسلام قادری حنفی کے مشمولات پر ایک نظر

۱. اسلام کی پہلی کتاب: عقائد متعلقہ ذات باری تعالیٰ، انبیائے کرام، ملائکہ، آداب واخلاق، پندونصائح، فضائل قرآن شریف ونماز۔
۲. اسلام کی دوسری کتاب: وضو، غسل، تیمّم نماز، روزہ کے فضائل ومسائل کا تفصیلی بیان۔
۳. اسلام کی تیسری کتاب: مسائل حج وزکوٰۃ، بیع وشراء کے مسائل، زیارت قبور، اسقاط میت، وقف، شراکت کے مسائل اور فاتحہ خوانی۔
۴. اسلام کی چوتھی کتاب: نکاح، طلاق، سوگ کے تفصیلی مسائل اور مناقب خلفائے راشدین وصحابۂ کرام ومناقب اہل بیت وذکر غوث الثقلین۔
۵. اسلام کی پانچویں کتاب: رضاع کے مسائل، ذکر معراج، فتح میافارقین، اسکندریہ، ایوان کسریٰ وقلعہ ماروین کا بیان۔
۶. اسلام کی چھٹی کتاب: خواص آیات قرآنیہ واوراد ووظائف مع طریق ختم خواجگان نقشبندیہ، قادریہ چشتیہ ودیگر ماثور دعائیں۔
۷. اسلام کی ساتویں کتاب: نماز کی شرائط، ارکان، واجبات، سنن، مستحبات، مفسدات ومکروہات کا تفصیلی بیان، مسئلہ ضاد، مسائل قربانی۔
۸. اسلام کی آٹھویں کتاب: تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی مصنفہ مولانا فضل حق خیرآبادی کا اردو خلاصہ، تقلید، علم غیب، زیارت قبور، عقائد وعملیات غیر مقلدین وغیرہ کا تفصیلی بیان۔
۹. اسلام کی نویں کتاب: نکاح، طلاق، محرمات (ابدیہ، رضاعیہ، صہریہ) مہر، عدت، حصانت، جہیز وکلمات کفر کا تفصیلی بیان۔
۱۰. اسلام کی دسویں کتاب: حضور علیہ الصلوۃ والتسلیمات کے آباء شریفہ کے ایمان پر مفصل دلائل، علم غیب، حقیقت انوار احمدی، وعظ قادریہ۔
۱۱. اسلام کی گیارہویں کتاب: عقائد کا تفصیلی بیان۔ (یہ درحقیقت امام عبدالوہاب شعرانی کی کتاب ''الیواقیت والجواہر'' کا اردو ترجمہ ہے۔)

''اسلام کی گیارہ کتابیں'' یا ''سلسلۂ اسلام قادری حنفی'' کی حقیقت کو جاننے کے لیے ہم نے مولانا بھیروی کی کتب کے قدیم نسخہ جات کی تلاش شروع کی۔ قسمت نے یاوری کی اور ہمیں چند کتب کے قدیم نسخہ جات اپنے نہایت مخلص دوست محمد ابرار قادری (لاہور) سے حاصل ہوگئے۔ تاہم ''سلسلۂ اسلام قادری حنفی'' سیریز کی تلاش میں ہمیں کچھ تگ ودو کرنی پڑی جس کے نتیجہ میں ہمیں چار حصے دستیاب ہوئے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱. اسلام کی نویں کتاب۔ (۱۱۲صفحات) مطبوعہ مطبع گلزار محمدی سٹیم پریس، لاہور، باہتمام محمد اسمعیل تاجر کتب بنگلہ ایوب شاہ، لاہور
۲. اسلام کی تیسری کتاب۔ (۶۲صفحات) ناشر جے ایس سنت سنگھ اینڈ سنز، تاجران کتب لاہور
۳. اسلام کی دسویں کتاب۔ مطبوعہ شیخ غلام حسین اینڈ سنز، لاہور (بہ تصحیح مفتی عبدالعزیز مزنگوی) جنوری ۱۹۴۷ء
۴. اسلام کی گیارھویں کتاب۔ مطبوعہ شیخ غلام حسین اینڈ سنز، لاہور (بہ تصحیح مفتی عبدالعزیز مزنگوی) فروری ۱۹۲۷ء

ان تمام قدیم مآخذ کی روشنی میں ہم نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ''سلسلہ اسلام قادری'' کی سیریز مولانا بھیروی کی کتب سے مستفاد ہے اور اس کے مرتب مولانا بھیروی نہیں بلکہ اس سیریز کے اولین ناشر محمد اسمعیل تاجر کتب بنگلہ ایوب شاہ، لاہور نے اس کی ترتیب کا بندوبست کیا تاہم اس بات کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اس سیریز کی ترتیب مولانا بھیروی کی اجازت سے ہوئی ہو۔ چنانچہ قدیم اشاعت میں ناشر کی طرف سے کتاب کے بیک ٹائٹل پر یہ تحریر درج ہے:

''اس سلسلہ کے شائع کرنے کی خاص وجہ یہ ہے کہ جناب مولانا مولوی غلام قادر صاحب مرحوم بھیروی سے جب لوگ مسئلے دریافت کرنے کو آتے تو آپ کو تحریر مسائل سے نہایت تکلیف ہونے کے علاوہ طلبا کا بہت حرج ہوتا اس لئے ہمیں خیال آیا کہ مسائل دینی قلمبند کرا کے علیحدہ طبع کرائے جائیں تا کہ اہل اسلام خصوصاً حنفی صاحبان اور ان کی اولاد پڑھ کر مستفیض ہوں۔'' (اسلام کی نانویں کتاب مطبوعہ مطبوعہ مطبع گلزار محمدی سٹیم پریس، لاہور)

اس اقتباس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اس سلسلہ کی اشاعت مولانا بھیروی کے وصال کے بعد ہوئی اور یہ بھی کہ اس سیریز کی ترتیب مولانا بھیروی نے نہیں بلکہ خود ناشر نے دی۔ چنانچہ مرتب سلسلہ اسلام قادری نے مولانا بھیروی کی کتب سے مسائل شرعیہ الگ کر کے اشاعت کی اور یہ سلسلہ نہایت مقبول ہوا کیونکہ مولانا کی تحریر نہایت شستہ اور سلیس ہے اس لیے یہ سیریز متعدد بار شائع ہوئی اور عوام وخواص میں بہت زیادہ پسند کی گئی۔

ہم مرتب سلسلہ قادری کی حسن نیت کے سبب تنقید سے اجتناب کرتے ہوئے صرف اس قدر عرض کرنا چاہتے ہیں کہ اگر مرتب مسائل شرعیہ کو اخذ کرتے ہوئے کتب کے نام بھی ذکر کردیتے تو بہت خوب ہوتا۔ مرتب کتاب نے مولانا بھیروی کی کتب پر نہایت آزادی سے کہیں مقدمہ حذف کیا تو کہیں ضمیمہ، کہیں عبارت میں سے الفاظ حذف کیے تو کہیں صفحات کے صفحات اُڑا دیے، کہیں ایک کتاب سے کاٹ کر کچھ حصہ دوسری میں لگا دیا ہے یہ کام اگرچہ عوام کے لیے بہت مفید رہا لیکن محققین حضرات کی طبیعت پر ایسی باتیں ناگوار گزرتی ہیں۔ (جاری)

غلام احمد قریشی ☆

عظمت و مقامِ مصطفیٰ ﷺ

(ماہ ربیع النور کے موقع پر ایک خصوصی تحریر)

محترم غلام احمد قریشی صاحب خوب لکھتے ہیں اور بسیار لکھتے ہیں۔ جس بھی موضوع پر قلم اُٹھاتے ہیں لکھتے تو ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم اپنی تحریری گفتگو کو جدید حوالوں سے کس طرح مزین کریں۔ جناب کا پیش نظر مضمون اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس عیب سے مبرا نہیں ہے۔ ہم ان سے گزارش کرتے ہیں کہ آئندہ جدید تحقیقی حوالے کے معیار کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اپنے مضامین و مقالات رقم فرمائیں تو نوازش ہوگی۔ (ادارہ)

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَحِيْم. فَاِنْ تَوَلَّوْ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰه لَااِلٰهَ اِلَّاهُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْم. (سورۃ التوبہ)

ترجمہ: بے شک تمھارے پاس تمھیں میں سے وہ رسول آئے جن پر تمھارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تمھاری بھلائی کے ایک نہایت چاہنے والے، مسلمانوں پر کمال مہربان اور شفقت کرنے والے۔ پھر (اے محبوب!) اگر وہ منہ پھیریں تو تم فرمادو کہ مجھے اللہ کافی ہے۔ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

اس آیت میں جَاءَ كُمْ سے قیامت تک کے مسلمانوں کو خطاب ہے کہ تم سب کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور مسلمان پورے عالم میں موجود ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری راحتوں اور تکلیفوں کو محسوس کرتے ہیں اور اس سے باخبر ہیں۔ حدیث نبوی ہے کہ درود اور دیگر اعمالِ امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ ہمارے اچھے اعمال پر مسرت اور بُرے اعمال پر استغفار کرتے ہیں۔ اسے ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔

اس آیت میں اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دو ناموں سے مشرف فرمایا جو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال تکریم ہے۔

قاضی ابوالفضل عیاض نے کتاب الشفاء میں حضرت علی بن ابوطالب سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ باری تعالیٰ مِنْ اَنْفُسِكُمْ کے بارے میں فرمایا: یہ حسب ونسب اور سسرال کے متعلق ہے کیونکہ میرے آبا و اجداد میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک کوئی بھی زنا کے ذریعے پیدا نہیں ہوا بلکہ سب نکاح کے ذریعے عالم وجود میں آئے۔ ابن الکلبی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچ صد اُمہات کے حالات میں نے معلوم کیے لیکن کسی میں زنا اور جاہلیت کا کوئی اثر نہ پایا۔ (سبحان اللہ) اگر اَنْفَسِكُمْ کے فا کو فتح یعنی زبر کے لحاظ سے دیکھیں تو یہ مدح وثنائے مصطفیٰ کی انتہا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ اور محامدِ کثیرہ کے ساتھ آپ کی تعریف کی گئی اور بتایا گیا کہ انھیں اس بات کی بڑی حرص ہے کہ لوگ رشد وہدایت سے بہرہ مند ہوکر حلقہ بگوشِ اسلام ہوجائیں اور ہر وہ بات اُن پر گراں گزرتی ہے جو لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت میں ضرر رساں ہے۔ ایسی باتوں سے آپ کو تکلیف ہوتی تھی۔ نیز ہمیشہ مسلمانوں پر آپ کی چشم عنایت اور نگاہِ کرم رہتی ہے۔ (کتاب الشفاء، علامہ قاضی عیاض مالکی اندلسی، مطبوعہ ہند و پاک)

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

من يُرِدُ اللّٰهَ بِهٖ خيرًا اليفقهم فِي الدين وانما اَنا قاسمٌ واللّٰه يعطى. (متفقٌ عليه وهذا لفظ البخارى)

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمادیتا ہے اور بے شک تقسیم کرنے والا میں ہی ہوں جبکہ اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور مذکورہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

اہل علم کے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت زیر بحث رہی ہے کہ آپ جنت کی جاگیر عطا فرماتے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی، علامہ شہاب الدین قسطلانی اور علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی (شارح مواہب لدینہ) نے اس خصوصیت کا اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ یہ عطائے جنت توحید و رسالت کی گواہی دینے والوں کے لیے باذنِ الٰہی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے

☆ سابق ڈائریکٹر: جنرل منصوبہ بندی، جموں وکشمیر، موبائل:09419000377

بذریعہ وحی یا الہام یا تفویض جنت کی یہ تقسیم ہوگی جس کا اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے ملتا ہے: اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰہُ مُعْطِ (میں تقسیم کرنے والا اور اللہ عطا فرمانے والا ہے) مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وفرمانبرداری اور آپ سے محبت وموالات کے ذریعہ جنت حاصل ہوتی ہے۔ اس خصوصیت کے امثال وشواہد بہت سے ہیں، جن سے اس کی صحت ثابت ہے۔ جنت کی جاگیر عطا فرمانے کا معنی یہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعض اہل ایمان کے لیے جنت کے ضامن ہیں چنانچہ بیعت عقبہ کرنے والوں کو یہ سعادت حاصل ہے۔ عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ میں اُن نقبا میں سے ہوں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر پر بیعت کی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ چوری نہیں کریں گے۔ زنا نہیں کریں گے۔ اللہ نے جس کا قتل حرام قرار دیا ہے اسے ناحق قتل نہیں کریں گے اور جنت میں نہ جائیں گے اگر یہ افعال ہم سے صادر ہوں۔ (رواہ البخاری فی کتاب مناقب الانصار باب بیعة العقبه (بحوالہ اصلاح فکر واعتقاد، تالیف سید محمد علوی مکی۔ ترجمہ مولانا یٰسین اختر مصباحی)

ملی اگر جاگیر کوئی جنت میں مجھے
تو دہلیزِ شاہِ لولاک لوں گا (احمد ندیم قاسمی)

اسمائے مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم :

اللہ تعالیٰ کے وہ اسمائے گرامی جن سے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو موسوم فرمایا ہے ان میں سے ایک الکریم ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: اِنَّہ لِقَولُ رسولٍ کریم۔ یہاں کریم سے مراد حضور کی ذات ہے۔ حدیث پاک میں ہے: اَنَا اکرم ولد آدم۔ میں تمام اولاد آدم سے زیادہ مکرم ہوں۔

خداوند قدوس نے جملہ کمالات کسبی و وہبی سے اپنے محبوب کریم کو مشرف فرمایا۔ ہر خوبی اور ہر کمال جس کا تعلق جسم سے ہو یا رُوح سے، ظاہر سے ہو یا باطن سے، دنیا سے ہو یا آخرت سے، فکر سے ہو یا عمل سے، فرد واحد سے ہو یا قوم سے، زمانۂ ماضی سے ہو یا حال ومستقبل سے۔ یہ گوناگوں خوبیاں اور بوقلموں کمالات اپنی جملہ رعنائیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ ذات پاک سید الانبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اطیبُ التحیة و الثناء میں بعطائے الٰہی اپنی اکمل ترین صورت میں پائے جاتے ہیں۔ جمال وجلال محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکار کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا بحر بیکراں ہے جس کا احاطہ انس وملک میں سے کسی کے بس کا روگ نہیں۔ (سیرۃ الرسول المعروف ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، پیر محمد کرم شاہ ازہری، جلد پنجم)

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتنش کمال بے ادبی ست

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْن کی تشریح کرتے ہوئے حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمہ اپنی تصنیف 'شان حبیب الرحمٰن' میں یوں رقمطراز ہیں:

''رب کی صفت ہے رب العالمین اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صفت ہے رحمت للعالمین یعنی جس کا خدا پاک رب ہے ان کے لیے حضور علیہ السلام رحمت ہیں۔ بلکہ یوں کہو کہ ربوبیت الٰہی کا جس کسی کو فیض پہنچا وہ رحمت مصطفیٰ کے صدقے سے۔ عالَم کہتے ہیں اللہ کے ماسویٰ کو۔ اب اس میں بہت سی قسمیں ہیں: عالم امکان، عالم امر، عالم انوار، عالم اجسام، عالم ملائکہ وغیرہ، پھر عالم اجسام میں عالم انسان، عالم حیوانات، عالم نباتات، عالم جمادات۔ اس للعالمین کے کلمے سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر عالم کے لیے رحمت ہیں۔ ملائکہ کے لیے بھی، جنات کے لیے بھی، انسانوں کے لیے بھی، کافروں کے لیے بھی، مسلمانوں کے لیے بھی۔''

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں وہ ہر عالم میں رہتے ہیں
بفیض رحمت للعالمین رحمت ہی رحمت ہیں

حضرت شیخ اکبر ابن عربی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور امتیازی کمالات کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ ایک انسان کے صفات اور کردار کریمانہ ہو سکتے ہیں لیکن رسول اکرم کی منفرد عظمت یہ ہے کہ ان کی ذات سرتاپا رحم وکرم کی حامل ہے:

لیس الکریم الذی من نعةِ کرم
ان الکریم الذی فن ذاتہٖ کرم (ابن عربی)

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نے 'قصائد نعمان' میں بارگاہ رسالت میں یوں استغاثہ کیا ہے:

یا اکرم الثقلین یا کنز الوریٰ
جدلی بجودک ارضنی برضاکَ

فاضل بریلوی نے عربی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں نعت لکھی ہے:

رسول اللّٰہ اذبعث فینا
کریماً رحمتاً حسناً حسیناً
تخوفونی لاعدا کیدًا امینا
اجرنی یا امانَ الخائفینا

حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام بھی ایک ہزار ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام بھی ایک ہزار۔ اللہ کے دو نام ذاتی ہیں۔ عربی میں اللہ اور عبرانی میں ایل۔ حضور انور کے بھی دو نام ذاتی ہیں محمد اور احمد، باقی نام صفاتی۔ چونکہ اللہ ورسول کی صفات بہت ہیں نیز ان کے واسطے سے مختلف حاجت مند اپنی حاجتیں لے کر

حاضر ہوتے رہیں گے اس لیے ان دونوں ذاتوں کے نام مختلف ہوئے کہ جیسا حاجت مند آئے اسی نام سے پکارے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی کا نام محمد نہ ہوا ہاں! یہ ثابت ہے کہ نجومیوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ نبی آخر الزماں پیدا ہونے والے ہیں جس کا نام محمد ہوگا۔ تو عرب میں چار شخصوں نے اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے مگر چونکہ یہ سن کر انھوں نے یہ نام رکھے اس لیے پہلے حضور ہی کا نام محمد ہوا۔ چونکہ ساری مخلوق بلکہ خود خالق ہمیشہ حضور کی ہر ادا کی تعریف فرماتے رہیں گے اس لیے نام پاک محمد ہوا۔ امام سیوطی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ’رسالہ متصل‘ لکھا ہے۔ عبدالمطلب نے یہی ایک خواب دیکھ کر حضور کا نام محمد رکھا (مرقاۃ، اشعۃ اللمعات) خیال رہے کہ حضور کے ناموں میں کوئی نام جامد نہیں۔ سب نام شریف مشتقات ہیں۔ (مرقاۃ بحوالہ مراۃ المناجیح، شرح مشکوٰۃ جلد ہشتم، از مفتی احمد یار خان)

آپ کے اسمائے صفات کی تعداد کے حوالے سے علما کے متعدد اقوال ہیں۔ امام قسطلانی نے المواہب اللدنیہ میں ۳۳۷ اور چار کنیتوں (ابوالقاسم، ابوابراہیم، ابوالارامل اور ابوالمومنین) کا ذکر کیا ہے۔ امام سیوطی نے ’الریاض الانیقہ فی شرح اسماء خیر الخلیقہ‘ میں ۳۴۰ سے زیادہ اسمائے مبارک اور چار کنیتیں ذکر کی ہیں۔ امام صالحی نے حضور کے ۷۵۴ اور چار کنیتیں (ابوالقاسم، ابوابراہیم، ابوالارامل اور ابوالمومنین) بیان کی ہیں۔ ابن فارس کا کہنا ہے کہ آپ کے اسمائے مبارک ۱۴۰۰ ہیں۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے ’جامع الترمذی‘ کی شرح میں بعض صوفیہ سے نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نام ۱۰۰۰ ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ۱۰۰۰ نام ہیں۔ ابن وجیہ نے ۳۰۰ اسمائے مبارک بیان کیے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ’مدارج النبوۃ‘ میں تقریباً ۱۴۰۰ اسمائے مصطفیٰ کا ذکر کیا ہے۔ یوں مجموعی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارک ۱۴۰۰ سے زائد بن جاتے ہیں۔ (اسمائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

ملفوظ کامل میں امام احمد رضا خان بریلوی سے منقول ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صفاتی نام علامہ خطیب عسقلانی نے ۵۳۰ بیان کیے ہیں جبکہ سیرت شامی میں اس پر ۳۰۰ کا اضافہ کر کے ۸۳۰ بتایا گیا ہے۔ امام احمد رضا خان نے اس پر ۶۰۰ سو مزید اضافہ کر کے رسول اکرم کے اسمائے صفاتی کی تعداد ۱۴۳۰ بیان کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسما بے گنتی ہیں۔ حضور کے اسما ہر طبقہ میں مختلف ہیں۔ ہر جنس میں جداگانہ ہیں۔ دریا میں اور نام ہیں، پہاڑوں میں اور زمین میں اور آسمانوں میں اور۔ بعض روایات میں ۱۴۰۰، اور بعض میں ۱۱۴۶۰ اسمائے صفات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد بھی منقول ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کثیر ہیں اسی طرح محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی کثیر اسمائے گرامی کے حامل ہیں۔ تذکار رسالت سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضور کا کثیر الاسماء ہونا آپ کی عظمت و رفعت اور شان وشوکت کی دلیل ہے جیسا کہ امام سیوطی، الریاض الانیقہ فی شرح اسماء خیر الخلیقہ (ص-۱۴) میں لکھتے ہیں: کسی کا کثیر الاسماء ہونا اس کی عظمت ورفعت پر دلالت کرتا ہے اور یہ اس لیے کہ لوگوں کی توجہ اس کی (بلند) ذات اور (اونچی) شان کی طرف ہو جائے۔ (بحوالہ اسماء مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ڈاکٹر طاہر القادری، پیش لفظ از محمد فاروق رانا، فرید ملت ریسرچ انسٹی ٹیوٹ)

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی، الملفوظ کامل میں اسمائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک سوال کے متعلق مزید فرماتے ہیں:

عرض: یہ کثرتِ اسما کثرتِ صفات پر دلالت کرتی ہے۔

ارشاد: ہاں!

عرض: ہر طبقہ اور ہر جنس میں جدا جدا نام ہونا اس لیے کہ ہر جگہ حضور کی ایک خاص تجلی ہے جس جگہ جس صفت کا ظہور ہوا اسی کے مناسب نام بھی ہے۔

ارشاد: یہ بھی ہے (اس کے بعد بیان فرمایا) انجیل شریف کی بہت سی آیات ہیں جو حضور کے اوصاف بیان کر رہی ہیں۔ اگرچہ نصاریٰ نے بہت تحریف کی ہے اور وہ کل آیتیں جو حضور کے اوصاف میں تھیں نکال ڈالیں۔ مگر جس امر کو اللہ تعالیٰ پورا کرنا چاہے اس کو کون ناقص کر سکتا ہے۔ بہت سی آیتیں اب بھی رہ گئیں مگر انھیں سوجھتی نہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس تورات وزبور میں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اکرم الخلق اور افضل الانبیاء ہیں:

علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے ’ملفوظات محدث کشمیری‘ میں ہے: ’’امام انبیا، سید مخلوق، اخیر وخیر الوریٰ، خیر الرسل، خیر العباد، انتخاب دفتر تکوین عالم، صاحبِ اسرار ناموس اکبر، اعلم الاولین و آخرین، تمام انبیا سے افضل واکمل جن کا مولد مبارک ام القریٰ تھا اور ان کے آثار اقدام سے مدینہ طیبہ کے راستے کی خاک لوگوں کی تمام محبوب چیزوں سے زیادہ خوش تر اور برتر قرار پائی۔ اس تفصیلی نظر سے امت محمدیہ کے اس اجتماعی فیصلہ کی قدر و قیمت بھی بہ آسانی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ جس بقعہ مبارک میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مستقل طور سے استراحت فرما ہیں وہ زمین کا حصہ زمین و آسمان کے ہر حصہ سے افضل ہے اور کچھ لوگ جو اس فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ اسی طرح جن جن امکنۂ ارض وسما کو بھی افضل الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرف فرمایا ہے وہ سب بھی اپنے اپنے درجہ کے مطابق افضل الامکنہ قرار پائے ہیں۔ والحق احق بالقبول، لہٰذا ابن تیمیہ کا یہ زعم کہ امکنہ میں کوئی تقدس نہیں کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہے۔ حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم احب الخلق الی اللہ ہیں۔حضور علیہ السلام صلی اللہ علیہ وسلم اکرم الخلق بھی ہیں۔عرش اعظم پر پورا کلمہ طیبہ لکھا ہونا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افضل الخلق واحب الخلق واکرم الخلق ہونے کی دلیل ہے۔مستغاث الخلق یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کے بعد سب ہی آپ کی نگاہ التفات وکرم کے محتاج و امیدوار ہیں۔حضور علیہ السلام یکتا وبے مثال تھے۔

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۳۳ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی آدَمَ وَ نُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرَاھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَی الْعٰلَمِیْن کی تفسیر کرتے ہوئے پیر کرم شاہ ازہری نے امام قرطبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:''حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کا مقام درجہ اصطفا سے بہت بلند ہے۔حضور تو حبیب اور رحمت ہیں۔دوسرے انبیا رحمت کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور سرورِ عالم کو سراپا رحمت پیدا کیا گیا اور حضور کی تشریف آوری سے خلق خدا کو امان مل گئی۔اسی لیے حضور نے فرمایا: میں اللہ کی طرف سے رحمت کا تحفہ ہوں۔

''تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ مِنْھُمْ مَنْ کَلَّمَ اللّٰہُ وَرَفَعَ بَعْضَھُمْ دَرَجَات.''

ترجمہ: یہ سب رسول، ہم نے فضیلت دی ہے (ان میں سے) بعض کو بعض پر۔ان میں سے کسی سے کلام فرمایا اللہ نے اور بلند کیے ان میں سے بعض کے درجے۔

مفسرین نے تصریح کی ہے کہ ''رَفَعَ بَعْضَھُم دَرَجَات'' سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں، لیکن یہ بات ذہن نشین رہے گی کہ کسی نبی کو دوسرے نبی پر یوں فضیلت نہ دو کہ اس سے دوسرے نبی کی معاذ اللہ تحقیر ہو۔(قرطبی وغیرہ، بحوالہ ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ ازہری، جلد نمبر ۱)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل ہیں بلکہ بعد خدا آپ ہی کا درجہ ہے۔اسی پر امت کا اجماع ہے اور اس پر بے شمار دلائل عقلیہ ونقلیہ قائم ہیں۔انبیائے کرام صفات الٰہی کے مظہر ہیں اور صفات الٰہی تو مختلف، لہٰذا ان کی شانیں بھی مختلف، نیز رب العالمین کی بعض صفات بعض پر غالب ہیں۔ سبقت رحمتی علیٰ غضبی، اس لیے بعض انبیا بعض سے افضل ہیں۔ جمالی پیغمبر مثلاً ابراہیم، جلالی نبی موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور چونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات ہیں لہٰذا ان سب سے افضل۔'' (تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی جلد ۳)

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کے بارے میں 'مدارج النبوۃ' جلد اوّل (اُردو) میں یوں رطب اللسان ہیں:''تمام انبیائے کرام علیہ السلام کے تمام نفوس قدسیہ سب سے زیادہ صاف وجید ہیں اور ان کے ابدان مبارکہ بھی جملہ نفوس بشری کے مقابلے میں سب سے زیادہ پاکیزہ اور ہر نقص وعیب سے محفوظ ومنزّہ ہیں۔باوجود یہ کہ یہ انبیائے کرام علیہ السلام دائرہ کمال میں داخل اور اپنے غیر سے کامل اور افضل ہیں۔مگر باہم ان کے درمیان بھی تفاوت وتفاضل ہے اور حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے از روئے مزاج اصح واعدل اور اسلم اور از روئے بدن اطہر، ان سب سے ازکیٰ واصفا ہیں۔اور باعتبار روحانیت سب سے اکمل واتم ہیں۔اور تخلیق کے لحاظ سے بھی ان سب سے لطیف تر واشرف ہیں۔آپ کے افضل البشر سید ولد آدم اور افضل الناس ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔انبیا کو از قسم کمالات و کرامات جو کچھ حاصل تھا وہ تمام یا اس کے مثل اور ان مخصوص فضائل وکمالات کے ساتھ جو خاص طور پر آپ کو حاصل ہیں، دوسرا کوئی نبی آپ کا شریک وسہیم نہیں:

عمرہا در زیدہ ام آفاق ہا گردیدہ ام
بسیار خوبان دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

ملا معین واعظ المہروی نے اپنی گراں قدر فارسی تصنیف 'معارج النبوۃ' میں سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سولہ خصائص مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا ہے جو صرف آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہی مخصوص ہیں۔کسی دوسرے کو اس میں مشارکت نہیں۔ان خصوصیات میں نہ تو انبیائے کرام کی شرکت ہے نہ ملائکہ علیہ السلام کو حصہ ملا ہے کیونکہ بشریت کے نفوس کا کمال جودتِ ماہیت اور صفائی جوہریت کی مقدار پر منحصر ہوتا ہے۔انبیائے کرام کے نفوس قدسیہ، انسانی نفوس میں نہایت ہی صاف، نفیس اور پاکیزہ تھے۔ان کے ابدان شریفہ تمام عیوب سے پاک اور صاف تھے۔ان انبیا علیہ السلام میں حضرت ختمی پناہ صلوات اللہ سلامہ علیہ کا وجود پاک مزاج صحت اور کمال بدن، صفائی روح، خُلق عظیم کے لحاظ سے ممتاز تھا۔اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے آپ کو بے پناہ فضائل اور لاتعداد خصوصیات سے نوازا تھا۔

مولانا جامی لکھتے ہیں:

اے جاوداں بصورت اعیاں برآمدہ	گاہے نمود ظاہر و گہ مظہر آمدہ
از روئے ذات ظاہر ومظہر یکست لیک	درحکم عقل ایں دگر آں دیگر آمدہ
بحریست متعلق کہ از اوصاف مختلف	باراں وقطرہ وصدف وگوہر آمدہ

عن ابی ھریرہ قال: قال رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعثت من خیر قرون بنی آدم قرنًا فقرنًا حتّٰی کنت من القران الذی کنت منہ. (رواہ بخاری)

ترجمہ: روایت ہے حضرت ابوہریرہ سے، فرماتے ہیں: فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں اولاد آدم میں بہترین گروہ میں بھیجا گیا، یکے

بعد دیگرے حتیٰ کہ میں اس گروہ سے ظاہر ہوا جس میں سے میں پہلے سے تھا۔

فضیلت و بزرگی ہے جو حضور انور کو عطا ہوئی آپ کے سوا کسی نبی، ولی، جن، فرشتے کو عطا نہ ہوئی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد خدا تعالیٰ ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ آپ کا مثل رب تعالیٰ نے پیدا ہی نہ فرمایا:

دہر میں سب سے تو بڑا، تجھ سے بڑی خدا کی ذات
قائم ہے تیری ذات سے سارا نظام کائنات

حضور کے خصوصی فضائل حد سے ورا اور شمار سے زیادہ ہیں۔ ان کا شماری ساری مخلوق نہیں کرسکتی۔ جو کوئی کچھ بیان کرتا ہے وہ صرف برکت کے لیے، سمندر کا قطرہ، ریگستان کا ذرّہ ہی بیان کرتا ہے وہ ایسے ہیں جیسا انھیں رب تعالیٰ ہی جانتا ہے:

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ يَا سِيِّدِ الْبَشَرُ
مِن وَّجْهِكَ الْمُنِيْرُ لَقَدْ نَوَّرَالْقَمَرُ
لَايُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّه'
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

خیال رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ساری خلقت سے افضل ہیں۔ لہٰذا آپ نبیوں سے، رسولوں سے، عرشِ اعظم سے، کعبہ معظّمہ سے، لفظی قرآن مجید سے افضل ہیں کہ یہ سب چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں۔ چنانچہ کعبہ کو دیکھنے والا حاجی ہے، کوئی غازی، کوئی قاری یا قاضی ہے مگر حضور کو ایمان کے ساتھ دیکھنے والا صحابی ہے جو تمام سے افضل ہے۔ رب نے مکہ کی قسم فرمائی اس لیے نہیں کہ وہاں کعبہ ہے بلکہ اس لیے کہ وہاں حضور ہیں۔ لااقسم بھٰذا البلد وانت حل بھٰذا البلد حضور کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا درجہ ہے پھر موسیٰ علیہ السلام کا۔ اس کے بعد خاموشی بہتر ہے۔ (اشعۃ اللمعات، بحوالہ مراۃ المناجیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی، جلد ہشتم)

حضرت قبلہ پیر عالم سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: جوہر اور انسان میں تو پانچ درجہ کا فرق ہے کہ انسان کے اوپر حیوان اور اس پر جسم نامی، اس پر جسم مطلق، اس پر جوہر مگر بشر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ستائیس درجہ فرق ہے۔ یعنی بشریت سے مصطفویت ۲۷ درجہ بلند و بالا ہے جس کے بعد صرف الوہیت ہی کا درجہ ہے۔ یہاں عبدیت کے سارے درجے ختم ہو چکے ہیں۔ تو جب ہم عام بشر، عام انوار اور ملائکہ کا مثل نہیں حالانکہ وہ بھی جوہر ہیں اور ہم بھی جوہر مگر پانچ درجہ نے فرق عظیم پیدا فرمایا تو عام بشر اور مصطفیٰ علیہ السلام برابر کس طرح ہوں گے حالانکہ یہاں ۲۷ درجہ فرق ہے۔ (شان حبیب الرحمٰن من آیات القرآن۔ مفتی احمد یار خان نعیمی)

مـحـمدًا بشرًا كالبشر — هدف لحجرًا لا كالحجر
عبد دیگر عبدہٗ چیزے دیگر — او سراپا انتظار ایں منتظر
(اقبالؔ)

فضائل و کمالات صلی اللّٰہ علیہ وسلم :

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہنا ایمان ہے اور سب سے زیادہ چاہنا کمالِ ایمان ہے۔ یہ ایک ایسی منصوص حقیقت ہے جو ہر طرح کے شکوک وشبہات سے بالاتر ہے۔ یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ عبد کے حساب سے ایمان کا جو عدد ہے بعینہٖ وہی عدد حبِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ہے۔ ایمان کا عدد ہے ایک سو دو (۱۰۲) اور ایک سو دو ہی ''حبِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کا بھی ہے۔ یوں ہی یہ اتفاق بھی قابلِ دید ہے کہ جو عدد کفر کا ہے بعینہٖ وہی عدد 'ہجر محمد صلی اللہ علیہ وسلم' کا بھی ہے۔ کفر کا عدد ہے ۳۰۰، اور 'ہجر محمد صلی اللہ علیہ وسلم' کا بھی عدد ہے تین سو۔ ہجر کہتے ہیں قطع تعلق کر لینے کو۔ الغرض نبی کی محبت ہی ایمان ہے اور ایمان ہی نبی کی محبت ہے، لہٰذا وہ جھوٹے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے مدعی ہیں مگر ایمان سے خالی ہیں۔ یوں ہی وہ بھی جھوٹے ہیں جو ایمان کے مدعی ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت سے تہی دامن ہیں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تعلق ہو جانے کا نام کفر ہے لہٰذا یہ ممکن نہیں کہ کوئی نبی کریم سے بے تعلق ہو اور وہ کافر نہ ہو اور جو کافر ہو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تعلق نہ ہو۔ (بحوالہ کتاب: ''یاایھا الذین آمنوا'' جلد اوّل، تبصرہ از قلم حضرت مولانا سید محمد اشرفی جیلانی)

اللہ کی سرتابقدم شان ہیں یہ — ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ
قرآن تو بتلاتا ہے کہ ایمان ہیں وہ — ایمان تو بتلاتا ہے کہ میری جان ہیں وہ
(امام احمد رضا خاں)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مصطفیٰ اس لیے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مقام محبوبیت عطا کرتے ہوئے سب محبوبوں میں اپنی ذات کے لیے چن لیا۔ اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام محبوبِ خدا نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شانِ محبوبیت عطا ہوئی وہ آپ کے لقب مصطفیٰ سے مترشح ہے اور وہ سب سے ارفع و اعلیٰ شان ہے جس میں آپ کا ہمسر نہیں۔ یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور مظہریت ذاتی ہے جبکہ اس کے برعکس دیگر جملہ انبیا کی مظہریت صفاتی ہے اور اولیا کی مظہریت اسمائی ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح 'سفر السعادت' میں فرماتے ہیں: ''آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم را فضائل و کمالات بود کہ اگر مجموع فضائل انبیا راصلوات اللہ علیہم اجمعین در حُب نہند راجح آید۔''

الملفوظ کامل میں امام احمد رضا خاں بریلوی محبتِ رسول کے بارے میں

پوچھے گئے ایک سوال کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

عرض: خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کس طرح دل میں پیدا ہو۔

ارشاد: تلاوتِ قرآن مجید اور درود شریف کی کثرت اور نعت شریف کے صحیح اشعار خوش الحانوی سے بکثرت سنے اور رسول کی نعمتوں اور رحمتوں میں جو اس پر ہیں، غور کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ آپ خیر الخلق ہیں لہٰذا کسی مخلوق کا کمال آپ کے کمال سے برتر نہیں اور نہ کسی کا مقام آپ کے مقام سے اعلیٰ تر۔ یہ بات ہم نے صحیح حدیث کے ذریعے جانی کہ یہ کمال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیقِ آدم علیہ السلام سے پہلے حاصل تھا جسے حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے انبیائے کرام سے عہد و پیمان لیا تا کہ وہ سب جان لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر مقدم ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے نبی اور رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو عہد اور میثاق لیا ہے اس میں آپ ہی کا خلیفہ بنانا بیان کیا گیا ہے اور اس کا مقصود آپ ہی کی ذات۔ (الخصائص الکبریٰ فی المعجزات خیر الوریٰ۔ (اُردو) جلد اوّل حضرت عبدالرحمٰن جلال الدین سیوطی)

معجزاتِ مصطفی

علمائے اعلام نے فرمایا ہے کسی نبی کو کوئی معجزہ اور کوئی فضیلت نہیں دی گئی مگر یہ کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معجزے یا اس فضیلت کی نظیر عطا فرمائی گئی، بلکہ اس سے اعظم عطا فرمایا گیا۔ آپ کو وہ معجزہ جو قیامت تک باقی و مستمر رہے گا وہ قرآن کریم ہے اور تمام انبیا علیہ السلام کے معجزات اپنے وقت کے ساتھ تھے۔ یہ خصوصیت شیخ عزالدین عبدالسلام نے خصائص میں شمار کی ہے اور یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تمام انبیا سے زیادہ ہیں چنانچہ ایک قول کے بموجب ایک ہزار معجزات اور ایک قول کے بموجب تین ہزار معجزات تک ان کی گنتی پہنچتی ہے۔ اسے امام بیہقی نے ذکر کیا ہے۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو بات رسول اللہ کے خصائص میں شمار کی جاتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہ تمام معجزات وفضائل جو جدا جدا ہر نبی کو دیئے گئے وہ سب کے سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئے اور آپ کے سوا کسی اور نبی میں وہ مجتمع نہیں ہیں۔ بلکہ آپ ہر نوع کے معجزات کے ساتھ مختص ہوئے۔ (الخصائص الکبریٰ۔ جلد دوم، اُردو)

بلاشبہ جتنے فضائل وکمالات خزانہ قدرت میں ہیں سب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے گئے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے: ویتم نعمته علیک۔ اللہ اپنی تمام نعمتیں تم پر پوری کرے گا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی 'مدارج النبوۃ' میں فرماتے ہیں: 'ہر نعمت کہ داشت خدا شد بر وتمام'۔

ولایت ونبوت سے متعلق ایک غلط فہمی کا امام احمد رضا خان سے یوں منقول ہے:

عرض: حضور یہ مشہور ہے الولایة افضل من النبوة۔

ارشاد: یوں نہیں بلکہ یوں ہے۔ الولایة النبی افضل من نبوته۔ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے کہ ولایت کی توجہ الیٰ اللہ ہے اور نبوۃ کی توجہ الیٰ الخلق ہے۔

عرض: حضور ولی کی ولایت بھی متوجہ الیٰ اللہ ہوتی ہے۔

ارشاد: مگر اس کی توجہ الیٰ اللہ، نبی کی توجہ الیٰ الخلق کے کروڑویں حصہ کو نہیں پہنچتی۔ (الملفوظ کامل)

معجزات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد بے شمار ہے۔ دیگر پیغمبرانِ عظام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں فرق ہے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر جزو بدن ایک معجزہ ہے۔ نبی کی کل ذات بذات خود ایک معجزہ ہے۔ ہر نبی کو جو بھی معجزات عطا کیے گئے رسول رحمت کو تنہا دیئے گئے۔ اخبار الاخیار میں محدث دہلوی نے قرآن پاک ہر آیت سے نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا جواز پیش کیا ہے۔ بشمول سورۃ الفاتحہ اور سورۃ الاخلاص کے۔ خصائص الکبریٰ میں معجزات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد ایک ہزار، دلائل نبوت میں دو ہزار اور امام بیہقی نے تین ہزار بتلائی ہے۔ جبکہ شرح شفا میں معجزات کی تعداد چار ہزار نقل کی گئی ہے۔ قرآن کے بعد معراج، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے عظیم معجزہ ہے۔

محمد چشم براہِ ثنا نیست	خدا درانتظار حمد مانیست
خدا خود مدح خوانِ مصطفیٰ ہست	محمد حامد حمد خدا بس

امام نووی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب 'التہذیب' میں خصائص مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امتیازی شان کا ذکر جمیل یوں کیا:

"Allah (The Most High) has assembled all the excellencies and virtues of character and habits in the person of the holy Prophet (Peace by upon Him). Allah (The Mosth High) has endowed him with all the knowledge of the ancient and later peoples, even though he was unlettered-being unable to read and write and had no human teacher, yet he had been endowed with such knowledge as Allah (The Most High) has not

bestowed on anyone else. He was offered keys to the Mundane Treasures but he preffered the Hereafter to the worldly riches. (Peace be on him). (Source 'Uswa-e-Rasool-e-Akram (PBH) by Dr. Mohammad Abdullah Hai)

اوّل و آخری نبی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نبوت سے سرفراز ہو چکے تھے جب حضرت آدم میں نفخ روح بھی نہ ہوا تھا۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ صحابہ نے دریافت کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو نبوت کب ملی؟ فرمایا: اس وقت جبکہ حضرت آدم علیہ السلام ابھی روح وجسم کے درمیان تھے (یعنی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی)۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور حسن کہا ہے:

عن ابی هريره قال: قال يارسول اللّٰه متیٰ وجبت لک النبوة؟ قال: وآدم بين الروح الجسد (رواه الترمذی وقال هٰذا حديث حسن)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ہمیں اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ کمالِ نبوت آپ کو اس وقت حاصل ہو چکا تھا جبکہ حضرت آدم انسانی صورت پر استوار بھی نہ ہونے پائے تھے اور اسی وقت انبیا علیہ السلام سے آپ کے لیے ایمان ونصرت کا عہد بھی لے لیا گیا تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی رسالت عامہ ان کو بھی شامل ہے۔ اس لحاظ سے سب سے پہلے نبی آپ ہوئے۔ مگر چونکہ جسد عنصری کے لحاظ سے آپ کا ظہور سب سے آخر میں ہوا ہے۔ اس لیے آپ آخر الانبیاء بھی کہلائے مگر اس معنی سے نہیں کہ آپ کو نبوت سب سے آخر میں ملی ہے۔ بلکہ اس معنی سے کہ آپ کا ظہور سب کے آخر میں ہوا ہے ورنہ منصب نبوت کے لحاظ سے آپ کی ولادت سے قبل اور ولادت کے بعد چالیس سال کی عمر سے پہلے اور اس کے بعد زمانہ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (استاذ الحدیث مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی۔ ترجمان السنہ)

ڈاکٹر طاہر القادری حدیث مذکورہ کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحابہ کرام کا سوال تو یہ ہے کہ **من وجبت لک النبوة** (آپ کے لیے نبوت کس وقت ثابت اور واجب ہوئی ہے) نبوت وجود کو مستلزم ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ خلقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تو ساری کائنات سے پہلے ہو چکی تھی لیکن شرف نبوت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس وقت ہمکنار کیا گیا؟ جس کا جواب حضور یہ دے رہے ہیں کہ: ''میں اس وقت سے نبی ہوں جب آدم کی تخلیق بھی عمل میں نہ آئی تھی۔'' ہمارے نقطۂ نظر کی مزید وضاحت علامہ انور شاہ کشمیری کی بیان کردہ اس حدیث کی شرح سے ہو جاتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں: (ترجمہ): یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بھی نبی تھے اور آپ پر احکامِ نبوت جاری ہو چکے تھے بخلاف انبیائے سابقین کے کہ ان پر احکام نبوت کا اجرا بعثت کے بعد ہوتا ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مع احکام تخلیق آدم سے بھی پہلے واقع ہوئی۔ (العرف الشذی علی جامع الترمذی) علامہ کشمیری نے اس سلسلے میں حضرت جامی کا یہ قول نقل کیا ہے: **انه كان نبيًا قبل نشاة النصريه** حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وجود عنصری پانے سے پہلے بھی نبی تھے۔ (بحوالہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ڈاکٹر طاہر القادری)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی حدیث مذکورہ کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: ''اس سے نبوت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت آدم پر تقدم اور سبقت ثابت ہوتی ہے۔'' امام قسطلانی المواہب الدینہ میں فرماتے ہیں: حدیث آدم سے قبل خارج میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے ثبوت اور ظہور کی دلیل ہے۔ شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لے کر یوم قیامت تک تمام مخلوق کے لیے ہے اور یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک زمانے کے لوگوں کی طرف مبعوث ہوئے ہیں۔ سو تمام انبیا اور اُن کی اُمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔

حسب و نسب کی پاکیزگی

آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم حسب ونسب کی شرافت اور زمانہ وجائے پیدائش کی عظمت کے لحاظ سے ممتاز ومعزز ترین حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ آقائے دوجہاں نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے بہترین لوگوں اور بہتر زمانے میں رکھا اور سارے قبیلوں میں سب سے بہتر قبیلے اور سارے گھروں میں سب سے بہتر گھر میں پیدا فرمایا تو میں ذاتی طور پر اور گھر کے لحاظ سے سب لوگوں سے بہتر ہوں۔ (شفا شریف ج ا، ص ۱۴۵)

مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے اپنے بے مثال رسول کے حسب ونسب، زمانہ اور جائے پیدائش کو بھی بے مثال بنایا۔ چنانچہ آپ کے والدین کریمین سے لے کر حضرت آدم وحوا علیہما السلام تک تمام آباؤ واُمہات کو رب تعالیٰ نے زنا وفحاشی اور کفر وشرک سے محفوظ رکھا بلکہ سب کے سب موحد ومومن تھے۔ ایک حدیث پاک میں یہ بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ اصلابِ طیبہ سے ارحامِ طاہرہ و مصطفّیٰ و مہذبہ میں منتقل فرمایا۔ ان میں جب بھی دو قبیلے بنتے تو مجھے ان میں بہتر قبیلے میں رکھا جاتا۔'' (مدارج النبوۃ، ج ۲)

ایک اور حدیث پاک میں اس طرح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں ہمیشہ پاک مردوں کی پاک پشتوں اور پاک عورتوں کے پاک رحموں سے منتقل ہوتا ہوا تشریف لایا ہوں۔'' (تفسیر کبیر ج ۶، بحوالہ ماہنامہ کنزالایمان اپریل

۲۰۰۷ء عظمت ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تحریر محمد صلاح الدین رضوی)

امام عبدالرحمٰن ابن جوزی نے 'الوفا با حوال مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم' میں حضرت عبداللہ بن عباس سے نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے طاہر پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل ہونے کے بارے میں ایک حدیث پاک کو نقل کیا ہے جس کا آخری حصہ یوں ہے: ''اور میرے والدین کبھی برائی پر نہیں ملے۔ میں پاک وطاہر پشتوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل ہوتا رہا ہوں۔'' (بحوالہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم از ڈاکٹر طاہر القادری)

فخر الانبیاوالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ انبیائے کرام علیہ السلام پر فضیلت وفوقیت پر دلالت کرنے والی اکثر احادیث کو محدثین اور سیرت نگاروں نے نقل کیا ہے۔ امام عبدالرحمٰن بن جوزی نے 'الوفا' میں اس موضوع پر ایک باب باندھا ہے۔ ایک روایت میں یوں منقول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے پانچ امتیازی خصوصیات عطا فرمائی گئی ہیں۔ جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں:

(۱) میرے لیے تمام روئے زمین کو محل سجود وعبادت اور وجہ طہارت ونزاہت بنایا گیا ہے اور پہلے انبیا مساجد سے باہر نماز ادا نہیں کر سکتے تھے۔ ہر امتی کو جہاں بھی وقت نماز آ پہنچے وہ وہیں نماز پڑھ لے اور اگر پانی دستیاب نہ ہو تو تیمّم کافی ہے۔

(۲) میری نصرت وامداد خداداد رعب ودبدبہ کے ذریعے کی گئی ہے، میرے اور میرے اعدا کے درمیان ایک مہینہ کی مسافت ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ ان کے دِلوں میں رعب وخوف ودہشت پیدا فرماتا ہے۔

(۳) پہلے ہر نبی کو خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا لیکن میں سب جنوں اور انسانوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں بغیر تخصیصِ علاقہ وقوم اور بلا امتیاز رنگ ونسل۔

(۴) پہلے انبیا علیہ السلام اموال غنیمت سے خمس الگ کرتے تھے جس کو آسمانی آگ آ کر کھا جاتی تھی اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کو اپنی امت میں تقسیم کروں۔

(۵) ہر نبی کو ایک دعا کا حق دیا گیا تھا، انھوں نے وہ دعا دنیا میں ہی مانگ لی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کا مطلوب ومسئول دے دیا اور میں نے اپنا حق شفاعت اور دُعا اپنی امت کے لیے بچا کر رکھا ہے جو بروز قیامت ان کے کام آئے گی۔

حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعتِ عظمیٰ عطا کی گئی ہے۔ اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور پہلا قبول الشفاعت۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ چاہو تو حق شفاعت لے لو اور چاہو تو آدھی امت کو جنت میں داخل کرا لو لیکن میں نے شفاعت کو اختیار کیا کیونکہ وہ عام ہے اور زیادہ کفایت کرنے والی۔ کیا خیال کرتے ہو کہ وہ فقط متقی اہل ایمان کے لیے ہے۔ نہیں بلکہ وہ تمام مذنبین اور گنہگاروں کے لیے ہے۔ (الوفا امام عبدالرحمٰن بن جوزی)

عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں عبداللہ ہوں (اللہ کا بندہ) اور میں خاتم النّبیین ہوں (آخری نبی)۔ اس حدیث کو بیہقی اور حاکم نے روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے۔

مولانا قاسم نانوتوی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف معنی ترکیبی کے لحاظ سے عبداللہ نہیں ہیں بلکہ انبیا علیہم السلام میں 'عبداللہ' آپ کا لقب تھا۔ قرآن کریم میں عبداللہ بطور لقب صرف آپ کی ذات پر اطلاق ہوا ہے۔ (ترجمان السنہ جلد اول، استاذ الحدیث مولانا بدر عالم صاحب)

مقام عبدیت و محبوبیت:

قرآن وحدیث کی روشنی میں جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ عبدیت کی طرف نگاہ دوڑاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بندگی کے بلند ترین مقام پر نظر آتے ہیں۔ عبادت گزاری، خشوع وخضوع، عاجزی اور تضرع وزاری میں جو درجہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو حاصل ہے۔ عالم زیرین وبالا میں کوئی مخلوق اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتی۔ گویا آپ کی عبدیت پر عبدیت کو ناز ہے۔ عبدیت کے اس اعلیٰ وارفع مقام پر فائز ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کثرتِ عبادت اور مجاہدے میں اس قدر منہمک اور مشغول رہتے تھے کہ کوئی متنفس ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اس مقامِ عبدیت پر فائز ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین پاک سے عرفا وصلحا کو معرفت عطا ہوتی ہے اور اس حقیقت کے باوجود کہ آپ سے بڑا ذات وصفاتِ حق کا کوئی عارف نہیں کہ بارگاہ خداوندی میں عرض کرے: **ماعرفناک حق معرفتک** (میں تیری معرفت کا حق ادا نہیں کر سکا)

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت پوچھنا ہے تو خالق کائنات سے پوچھئے، قرآن کریم کے آئینے میں جھانک کر دیکھیں تو دیکھنے والی آنکھ کو کئی مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام محبوبی عیاں نظر آئے گا: **اذا کان یوم القیامہ کنت امام النبیین و خطیبھم وصاحب شفاعتھم غیر فخر.** المشکوٰۃ (جب قیامت کا دن آئے گا تو میں نبیوں کا امام، ان کا خطیب اور ان کی شفاعت کروں گا بغیر فخر کے)

شانِ عبدیت کے علی الرغم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ مبارکہ

سے روز روشن کی طرح عیاں ہورہا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم شان محبوبیت میں جلوہ گر ہوتے ہیں تو خدا کی ذات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمالات کی بلندیوں کی انتہا سے ہم کنار کرنے لگتی ہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کی عظمت ورفعت کا اندازہ لگانا بھی کسی فردِ بشر کے بس کی بات نہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شان محبوبیت سے اس لیے نوازا گیا کہ ہم دنیا دار انسان آپ کی حیثیت کو سمجھ کر اپنے عقائد کو درست کر سکیں۔جبکہ شان عبدیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے عطا ہوئی کہ ہم اپنے اخلاق واعمال کی اصلاح کر کے اپنی زندگیوں کو سنواریں۔محبوبیت اور عبدیت کی یہ دونوں شانیں بحیثیت مجموع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو تشکیل دیتی ہیں۔(ماخوذ از تربیتی نصاب جلد اوّل ڈاکٹر طاہر القادری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مرتبے ہیں: ایک مقام عبدیت اور دوسرا مقام محبوبیت۔ جب آپ مقامِ عبدیت پر کھڑے ہوئے ہیں تو یوں عرض کرتے ہیں: مولیٰ میں تو کچھ بھی نہیں، میرے پاس تو کچھ بھی نہیں، سب کچھ تیرے پاس ہے۔ میں کسی شے کا مالک نہیں، میں تو کچھ نہیں جانتا، سب کچھ تو جانتا ہے۔ مجھے خبر نہیں کیا ہوگا؟ سب کچھ تیرے ہاتھ میں ہے، یہ زبانِ عقیدہ نہیں لسانِ عبدیت ہے۔ زبانِ بندگی ہے اور اس لیے ہے کہ کوئی نبی کو خدا نہ سمجھ لے جیسے یہود ونصاریٰ سے غلطی ہوئی۔ یہ تو مصطفیٰ کا اظہارِ عبدیت اور نفی شرک ہے۔ مصطفیٰ کا مقام تو مقام محبوبیت ہے جو قرآن دکھا رہا ہے کہ یہی عبد مقرب جب مکہ کی گلیوں میں چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لَآ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَد. (البلد) میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی درانحالیکہ آپ اس شہر میں بس رہے ہیں۔

بدعقیدہ لوگوں نے اظہارِ عبدیت کے کلمات کو تو دیکھا مگر اللہ تعالیٰ کے اظہارِ محبوبیت کے کلمات کو نہ دیکھا۔ بھلا کوئی عبد کی اس طرح قسمیں کھا سکتا ہے: بھلا کسی کے شہر کی گلیوں کی کوئی قسم کھاتا ہے۔ یہ مقام محبوبیت ہے۔ **واللّٰہ ورسولہ احق ان یرضوہ ان کانوا مومنین.** (النساء) اللہ اور اس کے رسول زیادہ حقدار ہیں کہ انھیں راضی کیا جائے اگر وہ ایماندار ہیں۔

ڈاکٹر طاہر القادری فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں بات دو کی ہے مگر ضمیر واحد ہے اگر چہ ذاتی دو ہیں مگر رضا تو ایک ہے۔ ثابت ہوا کہ نفساً خدا اور مصطفیٰ جدا ہیں مگر حکماً ایک ہیں، نفساً جدا نسبتاً ایک۔ نفساً جدا محبتاً ایک، نفساً جدا اطاعتاً ایک، ذاتاً جدا قربتاً ایک۔ یہ ایک ہونا اطاعت میں ہے، محبت میں ہے، ادب میں ہے، نسبت میں ہے، حرمت میں ہے۔ علامہ ابن تیمیہ الصارم المسلول میں بیان کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے امر میں، نہی میں، اخبار میں، بیان میں اپنے نبی کو اپنا قائم مقام بنایا ہے۔ لہٰذا ان امور میں دونوں میں فرق کرنا جائز نہیں۔'' تاہم یہ بات اہل علم پر روشن ہے کہ عبادت صرف ایک اللہ کی اور اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

ہمارے ایمان کا مرکز ومحور نبوتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ عقیدہ آخرت تو دیگر رسولوں، کتابوں اور ملائکہ پر ایمان حتیٰ کہ ایمان اور اسلام کے جملہ ارکان کا اعتبار اور مقبولیت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان کے صحیح ہونے پر منحصر ہے۔ نبوت، فضیلت اور مثلیت دو شانیں جمع کرنے کا نام ہے جس میں فضیلت ہو مثلیت نہ ہو وہ ذات نبی نہیں اور جس میں فقط مثلیت ہو فضیلت نہ ہو وہ بھی نبی نہیں۔ نبی کے لیے لازم ہے کہ اس میں فضیلت کے امور بھی ہوں اور ظاہری مثلیت کے امور بھی۔ منشائے خداوندی یہ ہے کہ فضیلت ومثلیت کی بات ایک ساتھ کرو تا کہ عقیدے کی وضاحت رہے اور اگر دونوں میں سے ایک کا بیان کرنا مقصود ہو تو مثلیت کے بیان کی ضرورت نہیں۔ اس پر ایمان ہی کافی ہے۔ ذکر صرف فضیلت کا کرو۔ فضیلت اور مثلیت دونوں کو جمع اس لیے کیا گیا ہے کہ نبی کے مقام بلند پر عقیدہ بھی پختہ ہو اور آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اتنے بلند مقام پر دیکھ پر شرک کا شائبہ بھی نہ ہو۔ فضیلت اور مثلیت کو جمع کرنے کے بعد مقام نبوت آشکار ہو جاتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ یہ نبی عبد ہے معبود نہیں۔ یہ نبی نور اللہ ہے اللہ نہیں۔ یہ نبی مظہر نور خدا ہے خدا نہیں۔ اور خدا تو نہیں مگر خدا سے جدا بھی نہیں:

تم ذاتِ خدا سے نہ جدا ہو نہ خدا ہو
اللہ ہی کو معلوم ہے کیا جانیے کیا ہو

مثلیت تو ہر کسی کی سمجھ میں آجاتی ہے۔ مگر فضیلت کی سمجھ کسی کسی کو آتی ہے۔ بشریت کے جلووں میں نورانیت کی شان ہر کسی کو نہیں، کسی کسی کو نظر آتی تھی۔ وہ ابوجہل وابولہب کو نہیں، ابوبکر وعلی کو نظر آتی تھی۔ گویا بشریت تو ہر ایک کو نظر آتی تھی نورانیت کسی کسی کو نظر آئی، مگر مصطفیٰ کی حقیقت کسی نے بھی نہ دیکھی۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **یا ابابکر والذی بعثنی بالحق لم یعرفنی حقیقة غیر ربی.** (اے ابوبکر! اس ذات حق کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ میری حقیقت میرے رب کے سوا کوئی نہ پہچان سکا۔''
('سنّیت کیا ہے' ڈاکٹر محمد طاہر القادری)

ایک روایت میں وارد ہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے کی کیفیت سے صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار واقف تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کاشانۂ نبوت میں وحی نازل ہونے کے دوران ایک نور چمکتا تھا جس کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت ابوبکر صدیق اور میں نے بار ہا دیکھا۔ حضرت علی مزید فرماتے ہیں کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تھی تو خوشبو پھیلتی تھی جسے میں نے بسیار بار سونگھا ہے۔

نور نبوت و بوئے نبوت جن کے نصیب ہوئی وہیں سے روحانیت کے سلاسل اور علم وعرفان کے چشمے پھوٹے اور یہ فیضان تا قیامت جاری وساری رہے گا:

حق راا گرچہ بچشم خود ندیدند لیکنش
از دیدن جمال محمد شناختند (حافظ شیرازی)

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں اس مسئلہ میں اختلاف ونزاع پیدا ہوا کہ سب مخلوق سے زیادہ عزت وکرامت کا مالک اللہ تعالیٰ کے ہاں کون ہے؟ بعض نے کہا حضرت آدم علیہ السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اوران کے سامنے اپنے ملائکہ کو سجدہ ریز کیا اور دوسروں نے کہا کہ اس مرتبہ کے مالک ملائکہ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی۔ انھوں نے آدم علیہ السلام سے اپنے مباحثہ کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے میرے اندر روح پھونکی اور وہ ابھی میرے قدموں تک نہیں پہنچی کہ میں اٹھ بیٹھا۔ عرش الٰہی مجھ پر منکشف ہوا۔ میں نے اس میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے مکرم و معظم وہی ذات اقدس۔ (سیرت سید الانبیاء ترجمہ الوفا باحوال المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم امام عبدالرحمٰن ابن جوزی)

محبت مصطفی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم احبو اللّٰہ لما یعدّوک من نعمۃ واحبونی لحب اللّٰہ واحبو اھل بیتی لحبی. (رواہ الترمذی) ابن عباس روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، اللہ سے محبت رکھو اس لیے وہ تمھیں طرح طرح کی نعمتیں عطا فرماتا ہے، اور مجھ سے محبت رکھو خدا کی محبت کی وجہ سے اور میرے اہلِ بیت سے محبت رکھو میری محبت کی وجہ سے۔ (ترمذی)

اسلام میں اصل محبت ومرکز صرف خدا کی ذات بتلائی گئی ہے اور یہی اس کی امتیازی توحید ہے کہ انسان کے قلبی علائق کے گوشے صرف اسی ایک ذات پاک کے نام پر تقسیم ہوتے ہیں۔ اسی لیے اذان واقامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اللہ کہہ کر پکارا گیا ہے تاکہ اللہ اکبر کے بعد رسول اللہ کی عظمت و محبت قلب میں خود بخود جاگزیں ہو جائے اور اسی لیے قرآن کریم میں ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی ارشاد فرمایا یعنی اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو۔ گویا اصل محور ومرکز خدا کی محبت ہے اور اس کا صحیح معیار رسول کی اطاعت ہے اب جو شخص خدا کی محبت کا مدعی ہے مگر رسول کی عظمت ومحبت پوری طرح نہیں کرتا یا رسول کی محبت کا دم بھرتا ہے مگر خدا کی عظمت ومحبت سے خالی ہے وہ سراسر دھوکے میں ہے۔ رسول کی محبت وعظمت اس کا احترام وادب اوّلین فریضہ ہے اور یہ سب اس لیے ہے کہ وہ اس باعظمت ذات کا رسول ہے جس کی تمام کائنات مخلوق ہے رسول کی صحیح عظمت یہ ہے۔'' (حاشیہ ترجمان السنہ جلد اوّل)

محمد کی غلامی دینِ حق کی شرط اوّل ہے
اسی میں ہوا گر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے (اقبال)

عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ذکر جمیل کا یہ مقدس سلسلہ جس طرح عالم ارواح سے اب تک یم بہ یم، قریہ بہ قریہ، کو بہ کو جاری ہے۔ اب سے قیامت تک اور قیامت سے تا ابد یونہی دھوم دھام سے جاری رہے گا۔ بقول حکیم الامت علامہ اقبالؔ:

عصر ہا مارا ز ما بیگانہ کرد از جمال مصطفیٰ بیگانہ کرد

باطل قوتوں نے ہمیں جمال مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے بیگانہ کر کے اس قدر بے حس بنا دیا کہ ہمیں اپنی حیثیت، مقام اور منزل کی خبر ہی نہیں۔ یہی ہمارا المیہ اور موجودہ پستی کا سبب ہے۔ اس پستی کو رفعتوں سے بدلنے اور زوال سے عروج کی طرف بڑھنے کا واحد راستہ محبت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اگر عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دولت نصیب ہوگئی تو پھر جنت کیا، دنیا و آخرت کی ساری نعمتیں مومن کی میراث ہے۔ اللہ تعالیٰ تذکار رسالت کی نورانی اور عرفانی مجالس کو جملہ اہلِ اسلام کے لیے باعث تسکینِ روح وجان بنائے اور ہمیں نور وسرور کی ان کیفیات سے نوازے جو ہر دور میں غلامانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سرمایۂ ایمان رہے ہیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کردے (اقبالؔ)

ہمارے سید معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اتنی عظیم ہے کہ وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے بلکہ ان کی ہر بات وحی ربانی ہوتی ہے۔ وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَویٰ اِنْ ھُوَاِلَّاوَحْیٌ یُّوْحاً. ایمان واسلام وہی کامل ہے جس میں توحید کی منزل تک رسائی رسالت کے معرفت نصیب ہوتی ہے۔ رسالت سے تعلق منقطع کر کے عقیدۂ توحید منافقت کے مترادف ہے جو خدا کی نظر میں کفر سے بھی بدتر ہے:

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بہ منزل نہ خواہد رسید

اللہ تبارک وتعالیٰ سے میری عاجزانہ دُعا ہے کہ وہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے۔ اقرار توحید ورسالت کے ساتھ بحالتِ ایمان واسلام خاتمہ بالخیر کردے۔ لَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ کی شہادت دینے والے اہل ایمان اور راہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے والے صحابۂ کرام، تابعینِ عظام، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین اور سلفِ صالحین رضوان اللہ علیم اجمعین کے درمیان رہنے کی سعادت عطا فرمائے۔ آمین! □□

سلطان احمد اصلاحی ☆

ہندوستان میں
مسلم زیرِ قیادت سیکولر سیاست سے وابستہ مسائل

پیشِ نظر مضمون سہ ماہی 'علم و ادب' علی گڑھ کے مدیر جناب سلطان احمد اصلاحی صاحب کے قلم کا مرہونِ منّت ہے، جو انھوں نے اپریل تا جون ۲۰۱۲ء میں بطور اداریہ لکھا ہے۔ زیرِ نظر مضمون کا عنوان ہے 'ہندوستان میں مسلم زیرِ قیادت سیکولر سیاست سے وابستہ مسائل'۔ اصلاحی صاحب کا یہ ایک طویل اداریہ کئی زاویۂ نظر سے توجہ طلب ہے۔ موصوف نے اپنے اس مضمون میں کئی ایسے اہم مسائل پہ گفتگو کی ہے جو انتہائی توجہ طلب ہیں۔ زیرِ نظر عنوان کے تحت مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے بعض باتیں ایسی بھی کی ہیں جو ہم سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کے لیے نہ صرف توجہ طلب بلکہ باعث تشویش بھی ہے۔ بعض حضرات سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کی شناخت کے لیے اپنے اپنے اعتبار سے جو اصطلاح وضع کرتے رہے ہیں ان اصطلاحوں کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے موصوف نے ایک جگہ سوادِ اعظم کے لیے 'بریلوی بھائیوں' کی اصطلاح ایسے انداز میں استعمال کی ہے جو سوادِ اعظم کو ہندوستان کا ایک چھوٹا مسلم طبقہ کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ اس طرح کی تحریروں سے آفاقی طور پر جو اہلِ سنت کو نقصان پہنچے گا اس کا آج اندازہ ہمیں ہو یا نہ ہو لیکن مستقبل میں جب کوئی محقق اس طرح کے مضامین سے استفادہ کر کے کوئی تحقیقی کام کرے گا تو یقیناً وہ اس جماعت کو ہندوستان کا ایک قلیل طبقہ تصور کرے گا، جس کا اہلِ سنت سے اعتقادی اور فکری کسی طور سے کوئی تعلق نہیں تھا، اس لیے کہ موصوف 'مسلمانوں کے تمام بڑے مدارس' میں اُن مدارس کا تذکرہ کر رہے ہیں جن کا حقیقی طور پر اعتقاداً اہلِ سنت سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ اس طرح کی تحریروں سے ماضی میں جب کوئی تاریخ بنے گی تو یقیناً وہ اہلِ سنت و جماعت کے لیے باعثِ نقصان ثابت ہوگی۔ اس لیے آج ہمیں سختی سے اپنے آپ کو جماعت اہلِ سنت ہی کہنے اور لکھنے کی شدید ضرورت ہے۔ اگر ہم نے اپنے آپ کو اہلِ سنت و جماعت سے ہٹ کر کسی مخصوص اصطلاح اور شناخت کی پہچان بننے کی کوشش کی تو ہمیں بھی دیگر گمراہ فرقوں کی طرح ہی ایک چھوٹا سا گمراہ فرقہ سمجھا جائے گا اور اس کی بنیاد اسی طرح کی تحریریں بنیں گی۔ ہمارا یہ طرزِ عمل کسی بھی طرح ہماری شناخت کے لیے مناسب نہیں۔ اس لیے ہم کو اپنے لیے اہلِ سنت و جماعت کی ہی اصطلاح استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ (نوشاد عالم چشتی، علیگ)

۶۴ء کی مشاورت کے بطن سے نکل کر ۱۹۶۷ء میں مرحوم ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی (م ۱۹۷۴ء) کے ذریعے 'مسلم مجلس' کا قیام اس حقیقت کا عملی اظہار تھا کہ شمالی ہندوستان کے مسلمان امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) کے ۴۸ء کے مشہور زمانہ لکھنؤ کنونشن میں ان کی اس نصیحت کے اثر سے آزاد ہو چکے ہیں جس میں انھوں نے مسلمانانِ ہند کو اپنی علیحدہ سیاسی پارٹی نہ بنانے کا مشورہ دیا تھا۔ جنوبی ہند کے مسلمانوں پر مولانا کی اس نصیحت کا اثر یوں نہیں رہا کہ حیدر آباد کی کل ہند مجلس اتحاد المسلمین ریاست کی انڈین یونین میں انضمام کے وقت سے ہی اپنے سربراہ سالار سلطان صلاح الدین اویسی کے ذریعے پارلیمنٹ میں اپنی موجودگی درج کیے رہی۔ ساتھ ہی ریاست آندھرا پردیش میں بھی وہ برابر شریک اقتدار رہی۔ سلطان کے لائق جانشین ان کے فرزند بیرسٹر اسد الدین اویسی کی اہل قیادت میں مجلس کی طاقت میں اضافہ ہوا ہے۔ اور وہ اپنی بڑھی ہوئی قوت سے ملک کی پارلیمنٹ اور ریاست کی اسمبلی میں اپنی مؤثر نمائندگی پیش کر رہی ہے۔ اسی طرح جنوبی ہندوستان میں مسلم لیگ اوّل دن سے کیرالہ میں شریک اقتدار رہی۔ اسی طرح مرکزی حکومت میں بھی اس کی نمائندگی رہی۔ مسلم لیگ کی داخلی سیاست کے مسائل کی تفصیل میں جائے بغیر کیرالہ کی ریاست اور مرکز دونوں میں اس وقت بھی اس کی نمائندگی کا سلسلہ قائم ہے۔ اسی طرح ۶۰ء اور ۷۰ء کی دہائی میں اتر پردیش میں مسلم مجلس اپنے قابلِ احترام بانی ڈاکٹر فریدی کی حیات اور ان کے بعد اپنی تفصیلات کے ساتھ صوبائی اور مرکزی حکومت دونوں میں شریک اقتدار رہی۔ بعد کے زمانہ میں جانشینان فریدی مجلس کی ان کی وراثت کو سنبھال نہیں پائے اور ہندو زیرِ قیادت سیکولر پارٹیوں سے وابستہ ہو کر ذاتی حیثیت میں وزارت اور صوبائی اسمبلی اور ملک کی پارلیمنٹ میں پہنچنے میں کامیاب

☆ مدیر: ماہنامہ 'علم و ادب' علی گڑھ، یو پی

ہو گئے لیکن مجلس ختم ہو گئی۔ اپنے داخلی مسائل کے ساتھ اس وقت تک مجلس کا ڈھانچہ تو برقرار ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ۷۰ء کی دہائی میں اپنوں ہی کے ہاتھوں تنظیم کو جو زخم لگا اس سے وہ تا حال اُبھرنے میں کامیاب نہیں ہو پا رہی ہے۔ تازہ منظر نامے میں آسام کی سطح پر مولانا بدرالدین اجمل کی قیادت میں ان کے A.I.U.D.F نے اپنی طاقت منوانے میں کامیابی حاصل کی ہے، جس کے ۱۹ ارکان اسمبلی میں اپنی نمائندگی پیش کر رہے ہیں۔ اتر پردیش کے حالیہ اسمبلی انتخاب ۲۰۱۲ء میں مسلم زیر قیادت سیکولر سیاسی پارٹیوں میں ڈاکٹر محمد ایوب انصاری کی پیس پارٹی، جناب افضال انصاری کو ''قومی ایکتا دَل'' اور مولانا توقیر رضا خاں صاحب کی ''اتحاد ملّت کونسل'' نے صوبائی اسمبلی میں اپنا کھاتہ کھولنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔ ان کے علاوہ صوبے میں سینئر پارٹی کی حیثیت سے مسلم لیگ اور مسلم مجلس کے علاوہ ارشد خاں کی نیلو پا اور سلیم پیرزادہ کی زیر قیادت پرچم پارٹی آف انڈیا اور حال کی راشٹریہ علماء کونسل سرگرم ہیں۔ اپنے داخلی مسائل کے ساتھ بساطِ سیاست کی تازہ وارد ''ویلفیئر پارٹی آف انڈیا'' ہے جسے صوبے کے آدھے حصے میں اپنی کل ہند سرپرست جماعت اسلامی ہند کی سرپرستی حاصل ہے اور باقی نصف میں وہ اس سرپرستی سے محروم ہے۔ یعنی کہ صوبے کی ایک حصے کی یونٹ اس سے اپنی حمایت کے ہاتھ کو کھینچے ہوئے ہے۔ شمالی ہندوستان کے باقی حصے میں ترنمول کانگریس کے پلیٹ فارم سے بنگال کے مسلمان نے سیاست میں اپنے آپ کو Assert کیا ہے۔ گرچہ مسلم زیر قیادت سیکولر سیاست کے پلیٹ فارم پر تو سنّاٹا ہے ہی، ہندو زیر قیادت سیکولر سیاست میں بھی اس کی مؤثر حصہ داری نہیں ہے۔ اس کے لیے بلاشبہ بہار کی مسلم دانشوری بشمول اس کے طبقہ علما کے کٹگھرے میں آتی ہے، جو دہلی اور اس کے مضافات میں محصور ہو کر شاداں اور فرحاں نظر آتی ہے اور بہار میں مسلم زیر قیادت سیکولر سیاست کو اپنے ایجنڈے پر بھی لانے کو تیار نہیں ہے۔

اس گفتگو میں اُتر پردیش کے علاوہ ہم نے بہار اور بنگال کو اس لیے شامل کیا کہ جب تک دہلی سے لے کر کلکتہ تک اپنے پلیٹ فارم سے مسلمان سیاست میں سرگرم نہیں ہوتا ہے، ہندوستان مسلم زیر قیادت سیکولر سیاست کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا ہے۔ بنگال میں سرکاری اعداد و شمار کے مطابق مسلم آبادی ملک میں سب سے اوپر ۳۳ فیصد ہے جبکہ اس کا غیر سرکاری تخمینہ ۴۰ فیصد سے کم نہیں ہے۔ بہار اور یوپی میں مسلمانوں کی سرکاری آبادی بہ ترتیب ۱۶ فیصد اور ۱۸ فیصد جھوٹ کا پلندہ ہے۔ بہار کے سیمانچل میں یہ ۴۰ فیصد سے کم نہیں اور باقی بہار اور یوپی میں یہ ۳۰ فیصد سے اوپر یا نیچے ہے۔ آسام میں A.I.U.D.F کی کامیابی اس کے مسلم مرکوز دو اضلاع کی بدولت ہے۔ یوپی، بہار اور بنگال میں یہ آبادی اس طرح مرکوز نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ آسام کی طرح سیاست میں اپنا اثر دکھانے میں کامیاب نہیں ہو پا رہی ہے۔ پنجاب، ہریانہ، اُڑیسہ اور تامل ناڈو سے ہٹ کر جہاں مسلم آبادی ناقابلِ لحاظ ہے، ملک کے باقی صوبوں میں جہاں مسلم آبادی ۱۰ فیصد اور ۱۵ فیصد کے درمیان ہے وہاں بھی سیاست میں مسلم نمائندگی کا حال اچھا نہیں ہے۔ چنانچہ اس وقت پنجاب، ہریانہ اور اُتراکھنڈ کے علاوہ کرناٹک، مہاراشٹر، اُڑیسہ، چھتیس گڑھ اور مدھیہ پردیش سے پارلیمنٹ میں ایک بھی مسلم نمائندہ نہیں ہے۔ (پندرہ روزہ انگریزی ملی گزٹ ۱۶-۳۱ مئی ۲۰۱۱ء ص ۱۶۔ تحت عنوان Owaisi Among top Five Parliamentarians، اسدالدین اویسی پانچ ٹاپ پارلیمنٹرینس میں شامل) جس پر نہ مسلمانوں کو اضطراب ہے اور نہ حاکمیت جمہور کی بہت بڑی چمپئن ہماری حکومت ہند کو اس پر کوئی خاص تشویش ہے۔ لیکن اس سے زیادہ پریشان کن مسئلہ دہلی سے بنگال تک کے حساس بیلٹ کا ہے جو ہمیشہ سے ملکی سیاست کا Hot Bed اور سیاست میں ملک کی سمت سفر متعین کرتا رہا ہے۔ مسلم زیر قیادت سیاست بھی ملک میں دراصل اسی بیلٹ سے کھڑی ہوگی جس میں ۲۲ کروڑ کی آبادی والے ہندوستان کے دل اتر پردیش کو بوجوہ مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ دہلی سے کلکتہ تک کے اس بیلٹ میں اوپر کے تخمینہ کے مطابق مسلمان آبادی کم و بیش پندرہ کروڑ بنتی ہے۔ یہ بات باعث شرم اور ہندوستانی جمہوریت کے لیے ایک داغ کی حیثیت رکھتی ہے کہ پورے ایک ملک کی برابر کی اس آبادی کی اپنی کوئی لیڈرشپ نہ ہو اور سیاست میں اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کے بجائے وہ دوسروں کے رحم و کرم پر ہو۔ اور دعویداری سے اپنے حق کا مطالبہ کرنے کی جگہ وہ سیاست میں ہندو زیر قیادت سیاست کی نظر عنایت کے لیے ٹکٹکی لگائے رہے۔ اور ایک دروازے سے دھتکارے جانے کے بعد دوسرے دروازے کا چکر لگاتی رہے۔

جیسا کہ گزرا، بہار اور بنگال میں مسلم زیر قیادت سیکولر سیاست کا اسٹیج ابھی سجا نہیں ہے۔ یوپی میں اس کی روایت قدیم ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ ابھی تک اس کا پلیٹ فارم بہت کمزور ہے اس کے مختلف اسباب ہیں۔ ذیل کی سطور میں انہی کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

(۱) مسلم عوام کی سرد مہری:

اُتر پردیش میں مسلم زیرِ قیادت سیکولر سیاست جو پروان نہیں چڑھ پارہی ہے تو اس کی سب سے بڑی وجہ مسلم عوام کی سرد مہری ہے۔ جمہوریت میں اصل طاقت عوام کی ہوتی ہے۔ وہ اگر جاگ جائیں اور اپنی لگام اپنی قیادت کے ہاتھ میں دے دیں تو صوبے میں مسلم زیرِ قیادت سیکولر سیاست کے شب و روز بدل سکتے ہیں۔ مجمع کم ہو تو مقرر کا بھی موڈ نہیں بنتا۔ سامعین جماہی لے رہے ہوں تو اچھے سے اچھے گلوکار کا بھی حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔ گھر میں باپ کی جتنی عزت ہوتی ہے، محلّہ اور سماج میں بھی اسی کے مطابق اس کا سر بالا ہوتا ہے۔ دراصل قیادت بنتی ہی Folowing سے ہے۔ قوم ساتھ نہ دے تو موسیٰ و ہارون کے آہنی عزم میں بھی لچک آ جاتی ہے۔ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے جاں نثار اصحاب نے اس کے حوالہ سے اطمینان دلایا تھا کہ ہم کوئی پیروانِ موسیٰ نہیں جو بیچ میں چھوڑ کر چل دیں گے۔ ہم اپنے قائد کے پیر میں کانٹا نہ چبھنے دیں گے اور اس کے اوپر اپنی جان نچھاور کرنے کو اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھیں گے۔ اُحد میں جماعتِ صحابہ نے یہ کارنامہ انجام دے کر دکھایا۔ جنگ کے خطرناک ترین مرحلے میں وہ اپنے قائد کے سر کا سایہ بن گئی۔ اپنے سروں کو تن سے جدا ہونے دیا لیکن قائد کی جان کو جوکھم سے نکال کر رہی۔ قرآن میں ایک موقع پر یہ جو ہے کہ:

یٰـٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (انفال:۶۴)

اے نبی! آپ کے لیے اور اہلِ ایمان کے لیے اللہ کافی ہے۔

اس کی دوسری قابلِ قبول تفسیر یہ ہے کہ اے نبی! آپ کے لیے اللہ اور آپ کے پیروکار اہلِ ایمان جماعت کفایت کرتی ہے۔ یہ درست ہے کہ پیغمبر اور وہ بھی آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام بہت بلند ہے۔ لیکن اجتماعیت کا یہ وہ نقش ہے جس کی تا قیامت مسلمانوں کو پیروی کرنی ہوگی۔ اور نبی کے نمونے کے آئینے میں رہتی دنیا تک کے لیے اپنی تصویر دیکھنی ہوگی۔ اجتماعیت اسلام کی اہم ترین تعلیم بلکہ اس کی شہ رگ ہے اور قیادت کے بغیر اجتماعیت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ ٹرین کا انجن کتنا ہی طاقتور قابلِ اعتماد اور ہر طرح کی کمی اور کمزوری سے پاک ہو، جب تک اس کے پیچھے مضبوط ڈبے نہ ہوں انسانیت کو اس سے کوئی فیض نہیں پہنچ سکتا۔ عربی کا پرانا محاورہ ہے: **العوام کالانعام** ۔ یعنی کہ عوام اور جانور میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔ آج کے دَور کے باشعور عوام کی یہ محاورہ صحیح ترجمانی نہیں کرتا۔ یہ صحیح ہے کہ عوام پر اپنے بالائی طبقے علما، خواص اور دانشوروں کا اثر ہوتا ہے۔ لیکن ان کا شعور بالغ ہو جائے تو بیمار دانشواری کے حصار سے نکل کر وہ اپنی راہیں خود تجویز کر سکتے ہیں۔ اتر پردیش کی بہوجن سماج نے اس کا راستہ دکھا دیا ہے۔ مسلمان اگر اپنے دین اور اپنی روایت سے سیکھنے کو تیار نہیں تو دوسروں سے ہی سیکھنے کا اپنے اندر حوصلہ پیدا کریں۔ اپنی اہل قیادت کی واجب قدر دانی کے سلسلے میں اپنے بالائی طبقے سے ان کی ذہن سازی نہیں ہو رہی ہے، اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ لیکن اپنے روزمرہ کے معاملات میں اپنا فیصلہ وہ خود لیتے ہیں اور پیش آمدہ مسائل میں کسی کی رہنمائی لیے بغیر اپنے نفع و نقصان کا میزانیہ خود طے کرتے ہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ اپنی معقول (Genuine) اور اہل (Competent) سیاسی قیادت کے سلسلے میں وہ اپنی اس قوتِ فیصلہ کا استعمال کریں اور دائیں اور بائیں دیکھے بغیر اپنے راہبر کی پہچان خود کر لیں۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے لیے اِن کے اور اُن کے پیچھے چلنے کے بجائے اپنے مستقل قائد کو اپنی منزل کا میرِ کارواں تسلیم کر لیں۔ اور اپنی سیاست کی قسمت کو اس کے حوالہ کر دیں۔ بالخصوص اتر پردیش میں مسلم زیرِ قیادت سیکولر سیاست کے فروغ کے لیے سب سے پہلی پہل مسلم عوام کو کرنے کی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اپنا وقت مزید ضائع کیے بغیر وہ اس کے سلسلے میں پیش قدمی کریں گے۔

(۲) طبقۂ علما کی بے اعتنائی:

باقی ملک کی طرح بالخصوص اتر پردیش میں، جہاں اس کا اسٹیج سجا ہوا ہے، مسلم زیرِ قیادت سیکولر سیاست جو آگے نہیں بڑھ پارہی ہے تو اس کی دوسری وجہ اس کے حوالہ سے طبقۂ علما کی بے اعتنائی ہے۔ اتر پردیش جو ہندوستان کا دل اور اس کا سب سے بڑا تہذیبی مرکز ہے، تو امت کے طبقۂ علما کے حوالہ سے بھی اس کی یہ مرکزیت اسی طرح قائم ہے۔ یہی صوبہ ہے جہاں مسلمانوں کے تمام بڑے مدارس قائم ہیں۔ دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور، دارالعلوم ندوۃ العلماء، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، جامعۃ الفلاح بلریا گنج، جامعہ سلفیہ بنارس، ان کے علاوہ دارالعلوم بالخصوص اور دیگر مدارس کی صوبے میں پھیلی ہوئی شاخیں ان کے علاوہ بریلوی بھائیوں کا جامعہ اشرفیہ مبارکپور، اور برادران اہل تشیع کا جامعہ ناظمیہ لکھنؤ و دیگر۔

بلاشبہ ان مدارس میں صوبے کے باہر کے بھی طلبہ پڑھتے ہیں، بلکہ بعض یا اکثر صورتوں میں تو انھی کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن دورانِ تعلیم ان کی جو موجودگی صوبے میں ہوتی اور جس کا سلسلہ برابر بنا رہتا ہے، صوبے کی فضائیں بہرحال اس سے متاثر ہوتی ہیں۔ اس لیے پورے اطمینان سے کہا جا سکتا ہے کہ اپنے دیگر امتیازات وخصوصیات کے علاوہ علما کی کثرت اور ان کی موجودگی ہے۔ ہر عالمِ دین کا بہرحال ایک حلقہ ہوتا ہے، جسے کسی وجہ سے اگر وہ اپنے افکار وخیالات سے متاثر نہ کرتا ہو تو اگر وہ چاہے تو انھیں ضرور متاثر کر سکتا ہے۔ اس پس منظر میں مسلم زیرِ قیادت سیکولر سیاست کی زیرِ نظر گفتگو کے حوالہ سے اس کے کردار کی ضرورت اور اہمیت کو سمجھا جا سکتا ہے۔

لیکن سانحہ یہ ہے کہ مسلم عوام کی طرح اس کے طبقہ علما کی حالت بھی اس معاملے میں ٹھیک اور درست نہیں ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ ان کے وزن اور ان کے نقطۂ نظر کے نقص کا ہے، جس کے سبب یہ امت کو جوڑنے کے بجائے اس کو توڑنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ذہن کی تنگی، عدم رواداری، نظرِ ثانی کی صلاحیت سے محرومی اس طبقے کی دوسری کمزوریاں ہیں۔ اس کی دینداری لگی بندھی (Stereotype) اور اس کا نقطۂ نظر ہمیشہ بے لچک ہوتا ہے۔ کسی موقع پر اگر مختلف مکاتبِ فکر کے علما کسی ایک اسٹیج پر اکٹھا بھی ہو جائیں تو موقع کی مناسبت سے جسمانی طور پر اگر ان کے بیچ کا فاصلہ کم ہو جائے لیکن ذہنی اور دماغی طور پر ان کی دُوری اسی طرح برقرار رہتی ہے۔ امت کی فلاح کے بجائے ان کا ایجنڈا اپنے اپنے مسالک کا استحکام ہے جس کے لیے دوسرے مسلک کو چھیڑنا اور اسے زیر کرنا ضروری ہے۔ دارالعلوم دیوبند نے اپنے نصاب میں قادیانیت کے رد کے ساتھ مسلک اہلِ حدیث کے رد کا بھی باقاعدہ شعبہ قائم کر رکھا ہے۔ جب کہ اس کا نمائندہ ادارہ کل ہند مسلم پرسنل لا بورڈ اپنے نظرِ ثانی شدہ مجموعۂ قوانین اسلامی میں فقہ شافعی کے ساتھ مسلک اہلِ حدیث کے اضافہ کا منصوبہ رکھتا ہے۔ اس صورت میں امت کی فلاح و بہبود سے زیادہ اس طبقہ کی انرجی مسالک کی کشمکش اور ایک کی دوسرے پر بالادستی میں صرف ہو جاتی ہے۔ حالانکہ خوب سمجھنا چاہیے کہ نہ دیوبندی بریلویوں کو ختم کر سکتے ہیں نہ بریلوی دیوبندیوں کو اور نہ یہ دونوں مل کر حضرات اہلِ تشیع کو صفحۂ ہستی سے مٹا سکتے ہیں۔ پتہ نہیں ہمارے طبقہ علما کی سمجھ میں یہ نکتہ کیوں نہیں آتا کہ بین امتی عقائد و مسالک کی ناہمواریوں کو سہتے ہوئے وسیع تر تناظر میں امت کے مفاد کے لیے سرگرم رہنا اپنے آپ میں ایک کارِ نیک اور بارگاہ ایزدی میں اجر وثواب کا موجب ہو سکتا ہے۔ افسوس کہ اس سلسلے میں ہمارا طبقہ علما یہودیوں اور عیسائیوں سے کچھ سیکھنے کو تیار نہیں۔ فرقہ بندی اور اختلاف و انتشار تو یہودیت وعیسائیت کی شناخت ہے۔ قرآن میں جابجا اس کا ذکر ہے اور حدیث وتاریخ کے ذخیرے میں اس کی تفصیل ہے۔ لیکن آج یہودی اور عیسائی دنیا پر نظر ڈالیے تو ایسا لگتا ہے کہ ان کے علما وفقہا کے درمیان کسی مذہبی مسئلہ میں کوئی اختلاف ہی نہیں ہے۔ خارج میں ان کا ایک ہی نشانہ ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کو زیر کرنا۔ سوا اس ایک ایجنڈے پر یہ دونوں متفق اللفظ اور یک زبان ہیں۔ دراصل کسی قوم کو اس مقام تک پہنچنے کے لیے بڑا ریاض کرنا پڑتا ہے۔ اپنے داخلی اختلافات کو دبا کر خارج کے بڑے دشمن پر نگاہ رکھنا اور اس کو زیر کرنے کی حکمتِ عملی کو طے کرنا۔ افسوس کہ ہمارے طبقہ علما کے سامنے تاحال یہ ایجنڈا نہیں۔ اس کے بجائے ان کی قوت داخلی اختلافات پر صرف ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ان میں جو خالص اہلِ سنت وجماعت ہیں، ان کا بھی کبھی ملنا ہوتا ہے تو اوپری طور پر کسی طویل المیعاد منصوبہ بندی کے تحت مل کر دیر تک اور دُور تک ساتھ چلنے کی صلاحیت سے ہمارا طبقہ ابھی تک بڑی حد تک عاری ہے۔

اس کمی کے علاوہ ہمارے طبقہ علما کی دوسری کمی، جیسا کہ عرض کیا گیا وزن اور نقطۂ نظر کا فقدان ہے۔ ملتِ اسلامیہ ہند کی معاش اور تعلیم کے سلسلے ہی میں جب ان کا ذہن صاف نہ ہو تو سیاست میں ان سے درست رہنمائی کی کیا توقع کی جا سکتی ہے؟ قوم کے معاشی استحکام کے ساتھ، دینی تعلیم کے پہلو بہ پہلو دنیوی تعلیم کو بھی ذہن سازی کی حد تک ہمارے طبقہ علما کو اپنے ایجنڈے پر لانا چاہیے اور برصغیر ہند کی دوسو سالہ تاریخ پر نظر کر کے سیاست کے سلسلے میں اپنے نقطۂ نظر کو درست کرنا چاہیے۔ اس پس منظر میں محترم مولانا محمد سالم قاسمی صاحبزادہ مرحوم مولانا قاری محمد طیب ناظم تعلیمات وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند وقف کی یہ رائے بالکل صائب ہے کہ موجودہ حالات میں عام طور پر طبقہ علما کو سیاست سے دُور رہنا چاہیے۔ اور اگر وہ سیاست میں آتے ہیں تو انھیں پوری طرح سیاست میں آنا چاہیے۔ اسی موقع پر موصوف کا یہ بھی کہنا تھا کہ: جو لوگ الیکشن لڑے بغیر راجیہ سبھا کے راستے سے ممبر پارلیمنٹ بنتے ہیں وہ رشوت دے کر چور دروازے سے پارلیمنٹ پہنچتے ہیں۔ ان کے والد کے زمانہ میں ان کو بھی اندرا گاندھی کی

طرف سے راجیہ سبھا کی پیشکش کی گئی تھی جس کو یہ کہتے ہوئے حکیم الاسلام نے رد کر دیا تھا کہ بیٹا یا تو مولوی رہو یا پھر سیاست داں بن جاؤ۔ اس کے حوالہ سے مولانا سالم کا اصرار ہے کہ 'میں مولوی ہوں تو مولوی ہی رہوں' میں سیاست کے چکّروں میں پڑ گیا تو میرا دینی کام پیچھے رہ جائے گا۔

(اُردو روزنامہ سہارا دہلی ۵/اپریل ۲۰۱۲ء خبر زیرعنوان:
علما موجودہ سیاست سے دور رہیں۔ مولانا سالم قاسمی)

دیانتدار طبقہ علما کے لیے یہ ایک آئینہ ہے۔ البتہ امت کے مفادات کی ضامن درست سیاست کے لیے ذہن سازی کی علما کی ذمہ داری بدستور برقرار رہتی ہے۔ اس میں اب تک کی کانگریس نوازی کی روش سے ہٹ کر ان کو مسلم زیر قیادت سیاست کے لیے ذہن سازی کو اپنا ایجنڈا بنانا چاہیے اور اس سلسلے میں اپنے مطالعہ کو وسعت دے کر حسبِ ضرورت جمے جمائے خیالات پر نظر ثانی کا حوصلہ بھی پیدا کرنا چاہیے۔ ملائم نوازی اور مایا نوازی بھی کانگریس نوازی کا ہی تسلسل ہے۔ اس لیے کانگریس نوازی پر نظر ثانی کے ساتھ ملائم نوازی اور مایا نوازی پر بھی اسی طرح انھیں نظر ثانی کرنی چاہیے۔

(۳) دینی جماعتوں کی عدم دلچسپی:

ملک میں مسلم زیرِ قیادت سکولر سیاست کا قافلہ جو اس وقت ٹھہراؤ کی حالت میں ہے تو اس کی ایک وجہ اس کے تئیں مسلمانوں کی دینی جماعتوں اور تنظیموں کی عدم دلچسپی بھی ہے۔ اس سلسلے میں جہاں تک جماعت اسلامی ہند کا سوال ہے تو اس نے ۶۵ سال کی ذہنی کشمکش اور تنظیمی آویزش کے بعد اپنی زیر سرپرستی 'ویلفیئر پارٹی آف انڈیا' کے نام سے باقاعدہ اپنی سیاسی تنظیم قائم کر لی ہے۔ اس لیے جماعت کی اصل ترجیح اپنی پارٹی کو پروموٹ کرنے اور اس کو آگے بڑھانے کی ہی ہوسکتی ہے۔ لیکن اپنے تاریخی پس منظر کے ساتھ اس کے کیڈر کا ایک حصہ تا حال یکسو نہیں ہے اور ملکی سیاست میں حصہ داری کو عقیدہ کا مسئلہ مان کر اس کو حرام اور ناجائز باور کرتا ہے جس کی وجہ سے اُتر پردیش کے ایک حصے میں جماعت کے ارکان اسی کی قائم کردہ پارٹی کے ممبر نہیں بن سکتے ہیں۔ اس لیے جماعت کی اصل ضرورت ہے کہ وہ اپنے کیڈر کو سیاست کے لیے یکسو کر سکے۔ اس سے آگے سیاست کے معاملے میں اس کے رویے کو قدرے توسع پسند ہونا چاہیے۔ اصل ایجنڈا ہے کہ ملک میں مسلم زیرِ قیادت سکولر سیاست کو فروغ حاصل ہو۔ سو جہاں کہیں ویلفیئر پارٹی عملی سیاست میں قدم آگے بڑھانے کی حالت میں نہ ہو وہاں موقع کی مناسب سے دیگر ہم خیال پارٹی، پارٹیوں کو آگے بڑھانے میں جماعت کو دلچسپی لینی چاہیے۔ یہ ہو جائے تو حیدر آباد اور کیرالا کے حوالے سے جس سیاسی کشمکش کا بار بار تذکرہ رہتا ہے، جماعت اس سے آزاد ہوسکتی ہے۔ ملک میں کام کا وسیع میدان موجود ہے۔ داخلی آویزش سے بچتے ہوئے اصل زور مسلم زیرِ قیادت سیاست کے فروغ پر ہونا چاہیے۔ جمعیۃ علماء ہند محمود مدنی گروپ سیاست میں صرف اپنے لیے راجیہ سبھا کی سیٹ پر قانع ہے اور اس وقت اس کے لیے امکانات کی تلاش میں ہے۔ جمعیۃ علماء ارشد مدنی گروپ کا اصرار ہے کہ یہ صرف خدمت خلق کا ادارہ ہے اور اس کا سیاست سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ لیکن مولانا ارشد مدنی کی کانگریس نوازی جگ ظاہر ہے۔ وہ موقع بہ موقع کانگریس کو کوستے بھی رہتے ہیں لیکن ساتھ ہی وہ اس سے چمٹا ہوا بھی دکھائی دینا چاہتے ہیں۔ اس صورت میں جبکہ جمعیۃ کے یہ دونوں دھڑے براہِ راست سیاست نہیں کر رہے ہیں، اصول کا تقاضا ہے کہ خاص طور پر انھیں اتر پردیش میں مسلم زیرِ قیادت سکولر سیاست کی سرپرستی کرنی چاہیے اور کانگریس نوازی اور اجیت نوازی کے ساتھ اس کے لیے کوئی بیچ کا راستہ نکالنا چاہیے۔ یقیناً اس سلسلے میں جماعت اسلامی ہند کے ساتھ دونوں جمعیتوں کی قیادت سے رابطہ ہونا چاہیے۔ دینی جماعتوں میں ہزار کمیوں کے باوجود تبلیغی جماعت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اصولی طور پر اس کے یہاں سیاست پر کوئی پابندی نہیں ہے اور اس کا کارکن اپنی پسند اور ترجیح سے کسی بھی مسلم، غیر مسلم سیکولر سیاست میں دلچسپی لے سکتا ہے۔ گزشتہ ایک صدی کا تجربہ بتاتا ہے کہ برصغیر ہند میں مسلمانوں کے واجب مفادات کا تحفظ ان کے قابو کی مسلم زیرِ قیادت سکولر سیاست سے ہی ہوسکتا ہے۔ سو اس سلسلے میں تبلیغی جماعت کی قیادت سے بامعنی گفتگو ہونی چاہیے جس سے کہ اس کے پھیلے ہوئے کیڈر کی طاقت کو گاؤں سے لے کر شہر تک مسلم زیرِ قیادت سیاست کے فروغ کے لیے استعمال کیا جا سکے۔

(۴) قیادت کے فقدان کا شکوہ:

ملک میں مسلم زیرِ قیادت سکولر سیاست جو دبی ہوئی اور تھمی ہوئی ہے تو اس کا ایک بڑا سبب یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے پاس سیاست کے لیے اہلِ قیادت نہیں ہے۔ ہندو دانشوری کی طرف سے اس سلسلے میں ایک بات اور جوڑی جاتی ہے کہ ہندوستان میں جو مسلمانوں کا دماغ تھا اور جوان کا اصل ذہین اور پڑھا لکھا طبقہ تھا وہ تقسیم کے وقت سب کا سب پاکستان چلا گیا۔ اب یہاں جو کچھ بچا ہے وہ کوڑا کباڑا اور تیسرے درجے کا ہی

مسلمان ہے جس سے قیادت و رہنمائی جیسے بڑے کام کے لیے اُمید نہیں باندھی جاسکتی۔ اپریل ۲۰۱۱ء میں T.O.S دہلی کی سلور جبلی تقریبات کی افتتاحی تقریر میں دہلی کے ایک بڑے ہندو دانشور کی طرف سے ہم کو اسے سننے کا موقع ملا تھا۔ ہندو ایلیٹ کی طرف سے یہ خالص مسلمانانِ ہند کو Demoralise کرنے کی سازش ہے جس سے ان کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ اس کے پیچھے خوف کی نفسیات ہے تاکہ مسلمان اپنی Genuine قیادت کو نظر انداز کرتے رہیں۔ اور مضبوط Following کے نتیجے میں مسلم قیادت کے حوالے سے تقسیم سے قبل کی صورتِ حال کا اعادہ نہ ہو۔ مولانا آزاد نے 'انڈیا وِنس فریڈم' میں لکھا ہے کہ گاندھی جی پریشان رہتے تھے کہ صوبۂ بہار میں مسلمان تعداد میں تو ہندوؤں سے کم ہیں لیکن قیادت پر چھائے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں انھوں نے مزید لکھا ہے کہ 'ولبھ بھائی پٹیل کی احمد آباد میں کوئی سماجی حیثیت نہ تھی۔ وہ معمولی حیثیت کے وکیل تھے۔ گاندھی جی وہاں سے ان کو اٹھا کر لائے اور پٹیل کو سردار پٹیل بنایا۔' (ص ۲۳۴-۲۳۵، اورینٹ لانگ مین، ۱۹۸۸ء مع ۳۰ صفحات)

یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ وہ سیاست میں اپنی اہلِ قیادت کی شناخت نہیں کر پا رہے ہیں ورنہ آج بھی ملک میں اس کی ایسی ہی فراوانی ہوتی جس کا اوپر کے حوالے میں تقسیم سے قبل گاندھی جی کی طرف سے اعتراف رہا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ تقسیم کے وقت پڑھے لکھے مسلمانوں کی ایک اچھی تعداد پاکستان چلی گئی لیکن ۶۵ سال میں دو نسلیں تیار ہو جاتی ہیں۔ اور اس وقت ملک کی ۳۰ کروڑ کی مسلم آبادی اس درجہ کی بانجھ نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی سیاسی قیادت کے لیے ضرورت کے مطابق افراد پیدا نہ کر سکے۔ حالانکہ یہ خلاف واقعہ ہے لیکن چلیے یہ بھی مان لیا کہ تقسیم کے وقت کا جملہ طبقہ اشراف پاکستان چلا گیا اور یہاں کوڑا کباڑا ہی رہ گیا تو سوال ہے ملک میں مسلم او بی سی طبقے سے ملائم اور لالو کے قد کے مسلمان لیڈر پیدا کیوں نہیں ہو سکے۔ ہندو او بی سی سے ملائم، لالو، رام ولاس پاسوان اور نتیش کمار وغیرہ وغیرہ۔ یہاں تک کہ جھارکھنڈ کے آدی باسیوں سے شیبو سورین اور کریا منڈا جیسے لیڈر پیدا ہو گئے تو مسلم اشراف سے قطع نظر ان کے او بی سی طبقے سے اس درجے کے مسلمان قائد پیدا کیوں نہیں ہو پائے؟ جیسا کہ گزرا یہ بات خلاف واقعہ ہے کہ سارے مسلمان اشراف پاکستان چلے گئے۔ اس وقت مسلمانوں کی جو دینی اور مذہبی تنظیمیں اور ان کے مقتدر ادارے اور NGOs ہیں، ان میں کہیں کہیں اور خال خال مسلم کمزور طبقات کی بھی نمائندگی ہے لیکن ان میں غالب قیادت اور غالب سربراہی حضرات سادات و شیوخ و خان صاحبان ہی کی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ جب NGOs میں یہ اسی طرح چھائے ہوئے ہیں تو سیاست میں اپنا یہی رنگ یہ کیوں نہیں دکھا پاتے۔ اس لیے مسلمانوں میں اس وقت اگر سیاسی لیڈر شپ کی کمی ہے تو اس کا سبب دوسرا ہے اور مسلمانوں کو بڑی سنجیدگی سے اس کے اسباب اور وجوہات کا پتہ لگانا چاہیے۔ سیاسی لیڈر شپ اس وقت مسلمانوں کے ادنیٰ اور اعلیٰ ہر طبقے میں ہے اور پیدا ہو سکتی ہے اگر اس کی کمی دکھائی آ جاتی ہے۔ سماجیات اور سیاسیات میں بھی اس اصول کا اطلاق اسی طرح ہوتا ہے۔ ہندوستانی سماج میں جو لڑکیاں بوجھ بن گئیں تو انھیں رحم مادر ہی میں قتل کیا جانے لگا، سعودی عرب کی طرح یہاں ان کی قیمت بڑھ جائے تو دیکھتے دیکھتے ان کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو جائے۔

ملک میں اہل اور لائق مسلم قیادت کی صورت حال اس سے مختلف نہیں ہے۔ مسلمانوں کی طرف سے جو اس کا استقبال نہیں ہے تو عام طور پر وہ بھی اپنے پر سمیٹے ہوئے ہے۔ بے غیرتی کا یہ عالم ہے کہ مراد آباد کے مسلمانوں کو اپنی نمائندگی کے لیے حیدر آباد کا کرکٹر ہی موزوں نظر آیا جس کی اخلاقی گراوٹ اس درجے کی ہے کہ اس نے اپنی مسلمان بیوی کو طلاق دے کر ہندو عورت سے شادی کر رکھی ہے، جبکہ اس سے سٹے ہوئے علی گڑھ میں اسے لائق ترین قیادت مل سکتی تھی جس نے ۱۳؍ اگست ۱۹۸۰ء کو پولیس جارحیت کے موقع پر مراد آباد کے مسلمانوں کے لیے ریلیف اور ان کی باز آبادکاری کے لیے تاریخی خدمات انجام دی تھیں۔ سیاست کوئی بند کمرے کی ریسرچ نہیں ہے کہ آدمی دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو کر اپنی تحقیقات میں لگا رہے۔ سیاست تو فیلڈ کا کام ہے اور اس کا آغاز اور انجام Following سے جڑا ہوا ہے۔ آپ کا قائد ارسطو بھی ہو، اسمبلی اور پارلیمنٹ کے انتخاب میں اسے ۲۰۰ ووٹ دیجیے تو وہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا ہے اس لیے مسلمان اس نکتے کو سمجھیں۔ اگر انھیں اپنی اہلِ قیادت کو اُبھارنا ہے تو انھیں Following کا ہنر سیکھنا ہوگا۔

اے ٹی ایس کی ستم رانی اور حوالات کی ایذا رسانی میں مسلمان آج بے رحمی کے ساتھ مر رہا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات بلکہ صحیح تر لفظوں میں پولیس ایکشن اور نسل کشی Gencide اور نسلی تطہیر (Ethnic Cleansing) میں وہ پہلے بھی مرتا رہا ہے اور آج بھی مر رہا ہے۔ آزادی کے بعد یہی جان مسلمان نے اپنی سیاسی قیادت کے سائے تلے دی ہوتی تو یقیناً آج اس

کے شب وروز اس سے مختلف ہوتے جیسے کہ آج ہیں۔

لیکن ابھی بھی سنبھلنے کا موقع ہے۔ دستورِ ہند کے حصار میں رہتے ہوئے پوری مسلم قوم کو پولٹیکل ایکٹیوزم کو اپنا شعار بنانا چاہیے اور گاؤں کی سطح سے ملک کی سطح تک اپنی سیاسی قیادت کو کھڑی کر کے اپنے واجب مفادات کے تحفظ کی لڑائی کا آغاز کر دینا چاہیے۔ پیران کلیسا اگر اس مشن کی راہ میں حائل ہوتے ہیں تو انھیں راستے سے ہٹا دینا چاہیے۔ زوال پذیر قوم کی عام حالت کو دیکھتے ہوئے اس کے طبقہ علما اور دینی جماعتوں کے سدھرنے کی بہت زیادہ توقع نہیں کی جاسکتی اس کے لیے عامۃ المسلمین کو ہی اپنی سیاسی بالغ نظری کو پر اعتماد کرتے ہوئے میدان میں اُترنا ہوگا ہر سطح پر اپنی اہل لیڈر شپ کی شناخت، اس کی مضبوط تابعداری اور باوقار سرپرستی کو اپنے ترجیحی ایجنڈے پر لائے بغیر قوم اپنی حالیہ بے توقیری و بے وقعتی کی گرداب سے نکلنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔ اس لیے مزید وقت ضائع کیے بغیر اسے کمر کس کے میدان میں اُتر جانا چاہیے۔ غفلت میں بہت دن گزار لیے اب مزید سستی اور کاہلی خودکشی کے مترادف ہوگی۔ مسلم عوام اپنی اس کمی کو دُور کر لیں تو قیادت کے فقدان کی شکایت کا ازالہ اپنے آپ ہوجائے گا۔ اس پس منظر میں A.I.U.D.F. صدر مولانا بدرالدین اجمل کے اس بیان میں کوئی دم نہیں ہے کہ مغربی اترپردیش میں مسلمانوں کے پاس کوئی مضبوط لیڈرشپ نہیں۔ موصوف کا یہ بیان اس پس منظر میں تھا کہ اترپردیش میں سماج وادی پارٹی اور بہوجن سماج پارٹی کا دامن چھوڑ کر مسلمان اپنی الگ سیاسی تنظیم کھڑی کریں۔ (ہمارا سماج دہلی ۱۹/اکتوبر ۲۰۱۱ء خبر تحت عنوان: مغربی اترپردیش میں مسلم لیڈرشپ کا فقدان ہے۔ مولانا بدرالدین اجمل)

معطورات کے بڑے تاجر قابلِ احترام مولانا بدرالدین اجمل کو اللہ نے پیسے کی طاقت دی اور آسام میں ان کو مسلم مرکوز آبادی مل گئی سو انھوں نے اپنی پارلیمانی سیٹ کے علاوہ اسمبلی کی ۱۹ سیٹیں نکال لیں۔ اترپردیش کے مسلم سیاسی Potential کا انھیں اندازہ نہیں ہے۔ وہ آسام سے دیوبند آتے ہیں اور دیوبند سے دہلی ہوتے ہوئے پھر آسام چلے جاتے ہیں۔ وہ کبھی وقت نکال کر دیوبند سے علی گڑھ آئیں اور ''پرچم پارٹی آف انڈیا'' کی قیادت سے روبرو ہوں تو انھیں اندازہ ہو کہ سیاسی قیادت کسے کہتے ہیں اور مغربی اترپردیش اس کے حوالے سے کس جگہ پر ہے؟ اس موقع پر یہ معروض بھی ضروری ہے کہ اترپردیش کی سیاست میں جو ڈاکٹر فریدی مرحوم کا بار بار حوالہ دیا جاتا ہے تو پرچم پارٹی کی قیادت ان کے خلوص اور شرافت کی دل سے معترف ہے لیکن جہاں تک سیاست کی دھار اور اس میدان میں ہندو ایلیٹ کے جھیلنے کی صلاحیت کا سوال ہے تو تحدیثِ نعمت کے طور پر پرچم پارٹی ان کو اپنے برابر میں نہیں رکھتی۔ مرحوم فریدی کو سب سے بڑا Advantage یہ حاصل تھا کہ مشاورت کے پلیٹ فارم سے اُس وقت پورے طبقۂ علما کی ان کو کھلی یا خاموش حمایت حاصل تھی اور یہاں یہ صورت ہے کہ یہ طبقہ پرچم پارٹی کے خلاف محاذ بنائے ہوئے ہے۔ یہاں تک کہ اترپردیش کے حالیہ اسمبلی انتخاب سے قبل مولانا سید سلمان حسینی ندوی کی قیادت میں جو ۱۳ مسلم/غیر مسلم پارٹیوں کا محاذ بنا تو اس میں بھی ''پرچم پارٹی آف انڈیا'' سے رابطہ کو ضروری خیال نہیں کیا گیا۔ اور ''کل ہند مسلم مجلس مشاورت'' مسلمانوں کی Umbrella Organisation کا حال ہے کہ اس کے سائے میں اترپردیش کی مسلم سیاسی قیادت کے لیے کوئی جگہ ہی نہیں ہے اور کسی بھی مناسبت سے اس کی طرف سے بھولے سے بھی اس سے رجوع نہیں کیا جاتا ہے۔ جب خواص کی بے اعتنائی کا یہ حال ہو تو مسلم عوام کی یوپی کی مسلم قیادت کے تئیں بے رُخی کا شکوہ کس زبان سے کیا جاسکتا ہے؟

(۵) مالیات کا مسئلہ:

بالخصوص اترپردیش جہاں جیسا کہ گزرا، اس کی بساط بچھی ہوئی ہے مسلم زیرِ قیادت سیکولر سیاست کے فروغ میں مالیات کا مسئلہ بھی بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ مسلمان عوام کی طرف سے اپنی سیاسی قیادت کی بات تو ہوتی ہے بالخصوص جب وہ پٹتے ہیں تو اس وقت ان کو اس کی بہت یاد آتی ہے۔ لیکن جہاں وقت گزرا، فساد ختم ہوا اور حالات حسب معمول ہوئے پھر وہ اپنی پرانی روش پر لوٹ آتے اور اپنی سیاسی قیادت اور اس کے مقتضیات (Requirements) کی فکر سے بالکل آزاد ہوجاتے ہیں۔ چونکہ سیاست کی یہ راہ کٹھن ہے اور اس میں منزل دور نظر آتی ہے اس لیے مسلمانوں کا صاحب ثروت اور صاحب اثر ورسوخ طبقہ اس کے بجائے ہندو زیرِ قیادت سیکولر سیاست میں اپنا مستقبل تلاش کرتا ہے۔ اور اصول کی بات ہے کہ جس سے آدمی اپنا مستقبل باندھتا ہے اسی کے لیے وہ جدوجہد کرتا اور اسی کے لیے اپنے وسائل کا دہانہ کھولتا ہے۔ چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ خاص طور پر اترپردیش میں ہندو زیرِ قیادت سیکولر سیاست مسلمان کے ووٹ سے ہی نہیں بلکہ اس کے نوٹ سے پالی اور پروان چڑھائی جاتی ہے۔ مسلم سیاست اور اس کی قیادت کے لیے مسلمان عوام کی طرف سے نکلتا تو دھیلا نہیں البتہ اس سے حساب لینے کے لیے اس کو بڑی بے چینی رہتی ہے جس کے لیے کسی مناسب موقع کو وہ ہاتھ سے نہیں جانے دیتی ہے۔ آزادی کے ۶۵ سال تک اس نے ہندو زیرِ قیادت سیکولر سیاست کا تجربہ کر لیا، اس کیکر کے درخت سے

اسے نہ سایہ ملا، نہ پھل ہاتھ آیا۔ تازہ منظرنامے میں وہ اکھلیش یادو کی مسیحائی پر پھولے نہیں سمارہا ہے۔ حالانکہ ابھی تازہ تازہ متھرا کے کوسی کلاں اور مظفرنگر شاملی کے کنڈیلہ میں مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اور ہورہا ہے وہ اس کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ مسلمان سیاست میں جب تک اپنی پٹری نہیں بدلتا، اس کی حالت میں فرق واقع نہیں ہوسکتا۔ کوسی کلاں میں مظلوم مسلمان بھائیوں کو گولی مارنے کے بعدان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور اس کے بعدان کو نذر آتش کیا گیا۔ بہن نے مشکل سے لاش کی شناخت کو تو جلتی ہوئی دوکان سے اسے باہر نکالا جاسکا اور کنڈیلہ کا معاملہ ہے کہ وہاں کے مہتمم مدرسہ ہی کولا پتہ کردیا گیا ہے۔ اُردو اخبارات میں ان دونوں کی تفصیلات آچکی ہیں، ان کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ متھرا میں مسلمانوں کی آبادی کم ہے لیکن مظفرنگر میں تو یہ ۴۰ فیصد ہیں اس سے صاف ہے کہ متھرا ہو کہ مظفرنگر جب تک مسلمان سیاست میں اپنے پیر پر کھڑا نہیں ہوگا وہ اسی طرح پٹتا اور ذلیل ہوتا رہے گا اس لیے ضرورت ہے کہ سیاست میں مسلمان کا قبلہ بدلے۔ وہ سیاست میں علما کی غلط رہنمائی سے آزادی حاصل کرے۔ وہ اپنی اہلِ سیاسی قیادت کو پہچانے، اس کی عزت کرنا سیکھے اور اس کو وسائل سے مالا مال کرے۔ سیاست کے مصارف غیر معمولی ہیں جس کا اندازہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے اس لیے مسلمانوں کو ماہانہ بنیاد پر اپنی پسند کی مسلم زیر قیادت سیکولر پارٹی کی سرپرستی کی عادت ڈالنی چاہیے اور اپنے مصارف میں کٹوتی کر کے اس کے لیے گنجائش پیدا کرنی چاہیے۔

(۲) ووٹ کاٹنے کا الزام:

ملک اور صوبہ میں مسلم زیر قیادت سیکولر سیاست کی راہ کی ایک بڑی رکاوٹ یہ الزام بھی ہے کہ اس سے تو صرف مسلمانوں کا ووٹ کٹے گا اور ضائع ہوگا اور کانگریس اور سماج وادی کی جگہ بھاجپا کو فائدہ ہوگا یہاں تک کہ مسلم سیاست کے لیے باقاعدہ 'ووٹ کٹوا' کی اصطلاح وجود میں آچکی ہے۔ یہ مسئلہ بڑے سنجیدہ غور کا طالب ہے اور اس کے کئی ایک پہلو ہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنی قیادت کی مٹھی میں اپنا ووٹ دیا ہی کب ہے، جو اس پر اس کا الزام عائد ہو؟ اعظم گڑھ میں ''علماء کونسل'' کے ایک آدھ تجربے سے اس کے بارے میں رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔ دوسری بات یہ کہ مسلمان سیاست میں کام ہی کب کررہا ہے ورنہ ووٹ کاٹنے والے سے زیادہ اس کی شناخت ووٹ بٹورنے والے کی ہوتی۔ اترپردیش کے حالیہ اسمبلی انتخاب میں ۶ فیصد یادو ۳۰ فیصد مسلم ووٹ کا دعویدار ہوا لیکن ۳۰ فیصد والا مسلمان ۶ فیصد یادو ووٹ کا دعویدار نہیں بن سکا۔ مسلمان زمین کی سیاست کرنے لگیں تو چمار اور اہیر یعنی کہ ہریجن اور یادو دو برادریوں کے علاوہ پوروانچل کی دیگر پسماندہ ہندو برادریوں، بھر، پاسی، کوئری، برئی، گڈریے، کیوٹ وغیرہ اور انھی کی ہم نام وہم رتبہ مغربی اترپردیش کی برادریوں کے ساتھ اترپردیش میں وہ بادشاہ گر نہیں بلکہ خود بادشاہ بن سکتے ہیں جس کے بعد 'ووٹ کٹوا' کے الزام کا اپنے آپ خاتمہ ہوجائے گا۔

دوسری بات اس الزام میں یہ شامل ہے کہ مسلم قیادت ہر حال میں اپنے پلیٹ فارم سے مسلمان کو ہی امیدوار بنائے گی جو اپنی کم تعداد کے سبب ووٹ کاٹنے کا مجرم بنے گا۔ مسلم سیکولر قیادت میں ہندو امیدوار بھی ہوگا سو وہ اپنی اکثریت کا ووٹ لے کر اضافی مسلم ووٹ سے جیتنے والا ہوگا نہ کہ ووٹ کاٹنے والا۔ اترپردیش کی ۴۰۰ سے زائد اسمبلی سیٹوں میں مسلم دعویداری ۱۵۰ کے آس پاس پر ہی ہوگی۔ باقی ۲۵۰ سے اوپر پر تو غیر مسلم اُمیدوار ہی ہوگا اس لیے مسلم زیر قیادت سیکولر سیاست پر 'ووٹ کٹوا' کا یہ الزام سطحی اور سرسری ہے۔ اس کا گہرائی سے تجزیہ کیا جائے تو نتیجہ اس سے مختلف نکلے گا۔ مسلم زیر قیادت سیاست میں اترپردیش اور اس سے باہر Co-ordination کی بات علم وادب میں اس سے پہلے آئی ہے، اس موقع پر بھی اس کا اعادہ ضروری ہے۔ مسلم زیر قیادت سیاسی پارٹیوں کو اس کا راستہ لازمی تلاش کرنا ہوگا جس سے کہ ووٹ ضائع ہونے سے محفوظ رہے۔ ووٹ کاٹنے کا مسئلہ تو اس وقت پیدا ہوگا جب ہر حال میں اس پر اصرار ہو کہ امیدوار مسلمان ہوگا اور ایک ہی جگہ مختلف مسلم سیاسی پارٹیوں سے کئی کئی اُمیدوار میدان میں ہوں گے۔ مسلمان عوام قیادت کو اعتماد دیں تو ان کو اس پر دباؤ بنانے میں بھی دشواری نہیں ہوگی۔ جو لوگ سیاست کو تفریح نہیں سمجھتے وہ اس کے تقاضوں سے غافل نہیں ہوسکتے۔

مسلم زیر قیادت سیکولر سیاست کا اصل ایجنڈہ ہے کہ مسلمان کو سیاست میں اس کی جائز جگہ مل جائے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ وہ اترپردیش کی کل ۴۰۰ سے اوپر اسمبلی سیٹوں کی دعویدار ہوجائے۔ اپنے جائز حق کے بعد وہ ہندو امیدوار کی طرفدار ہوگی جس کے اوپر بہرحال 'ووٹ کٹوا' کا الزام عائد نہیں ہوتا ہے۔ آخری بات یہ کہ شکوک وشبہات اس وقت زیادہ پیدا ہوتے ہیں جب آدمی میدان میں نہیں ہوتا ہے۔

مسلمان سیاست کے میدان میں اُتر جائے تو دوسری بہت ساری غلط فہمیوں کے ساتھ اس کے اوپر سے ان شاء اللہ 'ووٹ کٹوا' کا الزام بھی رفع ہوجائے گا۔ □□

رہنما تحریر

صفدر امام قادری ☆

سول سروسز کے لیے اردو زبان و ادب کی تیاری کیسے کریں؟

تعلیم اور روزگار حالاں کہ الگ الگ چیزیں ہیں لیکن ان کے درمیان ایک گہرا رشتہ موجود رہا ہے۔ اسی وجہ سے نوکریوں کے تعلق سے تعلیم کو بنیادی اہمیت دی گئی۔ عام طور پر کسی طالب علم کے لیے موجودہ دور میں بڑی ملازمت حاصل کر لینا منتہا مانا جاتا ہے۔ آزادی کے بعد جمہوری نظام میں جب سب کے لیے مواقع عام ہوئے، اس وقت خاص طور پر ایسے مقابلہ جاتی امتحانات کا سلسلہ شروع ہوا۔ سبھی کو اپنی صلاحیت اور استعداد ثابت کرنے کے لیے یکساں مواقع مل سکتے تھے۔ رفتہ رفتہ چھوٹی سے بڑی نوکریوں تک مقابلہ جاتی امتحانات کا ایک جال بچھ گیا۔ آج ہر طالب علم کو اپنے مقدر کی روشنی حاصل کرنے کے لیے ایسے امتحانات سے گزرنا ضروری ہے۔

ایک ہونہار طالب علم کے دل میں یہ خواہش رہتی ہے کہ وہ اونچی ملازمت اور مناصب تک پہنچ کر اپنی صلاحیت کے نشانات چھوڑے۔ بیوروکریسی نے آزاد ہندستان میں رفتہ رفتہ اپنی کارکردگی اور کشش کی بنیاد پر سماج کے نوجوانوں میں یہ خواہش پیدا کر دی ہے کہ اس سے بہتر کوئی ملازمت نہیں۔ کبھی اپنے سبجکٹ کے ماہرین اور ذہین طلبا یونیورسٹیوں میں پڑھانے یا وکالت کے پیشے سے وابستہ ہونے کو وجہ امتیاز سمجھتے تھے لیکن وقت کی کروٹ نے مرکزی اور صوبائی سطح کے سول سروسز کو ہمارے ہوشمند اور باصلاحیت طلبا کے خوابوں کی جنت بنا دیا ہے۔ اس لیے اب سب سے بڑی تعداد میں طالب علم اسی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔

زبان و ادب کی تعلیم یوں بھی انسان کی شخصیت کی تعمیر و تشکیل کا بنیادی عنصر ہے۔ لازمی مضمون کے طور پر انہیں تمام مقابلوں میں اسی وجہ سے جگہ دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ اختیاری مضامین میں بھی ہندستان کی تمام اہم زبانوں کے علاوہ چند قدیم و جدید بین الاقوامی زبانوں کی شمولیت کا مقصد بھی امیدوار کی زبان دانی اور تنقیدی افتاد کی پہچان ہے۔ ہندستان کی جدید زبانوں میں اردو اور ہندی کی اہمیت واضح ہے۔ اس لیے ان زبانوں کو اختیاری مضمون کے طور پر پڑھنے والوں کی تعداد لگاتار بڑھتی جا رہی ہے۔ بہار، اتر پردیش، مدھیہ پردیش، مہاراشٹر، آندھرا پردیش، جھارکھنڈ اور مغربی بنگال صوبوں میں اردو ایک مقبول سبجکٹ کے طور پر موجود ہے اور سینکڑوں طالب علم ہر سال مرکزی اور صوبائی سول سروسز میں اردو مضمون منتخب کر کے اپنے مستقبل کو روشن کر رہے ہیں۔

کسی عہد میں ادب کو تفریح اور خوش مذاقی تک محدود رکھا جاتا تھا لیکن جب سے اس نے اونچی ملازمتوں کے لیے خود کو ایک بڑا ذریعہ بنایا ہے، تب سے معاشرے میں ادب پڑھنے اور پڑھانے کے انداز میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ اردو کے طلبا کی واقعتاً یہ سب سے بڑی مشکل ہے کہ انہیں ایسے امتحانات کی تیاری کے لیے امدادی کتب نہیں مل پاتیں۔ زیادہ سے زیادہ ایسے سوالات انہیں امتحان میں حل کرنے ہوتے ہیں جن کے تعلق سے عام طور پر موجود کتابیں خاموش ہیں۔ گذشتہ چند برسوں میں بعض ناقدین نے اس طرف جزوی توجہ کی ہے۔ اس دوران اتنے وسیع اور عریض ملک میں ایک ہاتھ کی انگلیوں پر گننے لائق بہ مشکل تمام ایسے ادارے بن سکے جہاں اردو کے طلبا کی تمام مشکلات حل ہو سکیں۔ اسی وجہ سے اردو کے طلبا کی کیریر سے متعلق پریشانیاں مکمل طور پر ختم ہوتی دکھائی نہیں دیتیں۔ سول سروسز میں شامل ہونے والے اردو کے طلبا کے مسئلوں کو حل کرنے کے لیے یہاں مختصراً بعض ضروری اطلاعات پیش کی جا رہی ہیں۔

عام طور پر امیدوار ایک ساتھ کئی صوبائی اور مرکزی سطح کے مقابلہ جاتی امتحانات دیتے ہیں۔ دونوں پرچوں کے نصاب میں مختلف امتحانات میں اچھا خاصا فرق ہے۔ اس لیے طلبا کو تیاری کرتے ہوئے یونین، بہار، اتر پردیش، مدھیہ پردیش، راجستھان، مغربی بنگال، جھارکھنڈ اور دیگر پبلک سروس کمیشن کے مشترکہ نصاب کو اپنے سامنے رکھنا چاہئے۔ بالعموم نصاب زبان و ادب دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے حصۂ اوّل زبان کے بارے میں موضوعات کا احاطہ کرتا ہے اور حصۂ دوم ادب سے متعلق ہوتا ہے۔ پہلے پرچے میں آریاؤں کی ہندستان میں آمد اور ہندستان کے لسانی منظر نامے پر اس کے اثرات کے علاوہ ہند آریائی کے تین ادوار۔ قدیم، وسطی اور جدید کے تاریخی ارتقا کا مطالعہ نصاب کا حصہ ہے۔ اس کے لیے سنیتی کمار چٹرجی کی ''ہند آریائی اور ہندی'' مسعود حسین خاں کی ''مقدمۂ تاریخ زبان اردو''، گیان چند جین کی ''عام لسانیات'' اور قدیم ہند آریائی بالخصوص سنسکرت اور پالی سے متعلق اطلاعات کے لیے وہاب اشرفی کی ''تاریخ ادبیات عالم'' جلد اول اور دوم کتابیں معاون ہو سکتی ہیں۔ ہندی میں رام ولاس شرما، نامور سنگھ، بھولا ناتھ تیواری اور ہردیو باہری کی کتابیں بھی بے حد کارآمد ہیں۔ آریوں کی ہندستان آمد کے موضوع پر عہد قدیم کی مستند تاریخی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ بالخصوص رام شرن شرما کی کتابیں ''آریہ سنسکرتی کی کھوج'' اور "Looking for The Aryans" ضرور پڑھیں۔

☆ سابق صدر شعبۂ اردو کالج آف کامرس، پٹنہ۔۲۰ (بہار) safdarimamquadri@gmail.com

مغربی ہندی اور اس کی پانچ بولیوں برج، کھڑی، ہریانوی، قنوجی اور بندیلی کے ارتقا اور اردو سے ان کے رشتے کی اطلاع ضروری ہے۔ اردو کے پنجابی، ہندی، عربی اور فارسی سے تعلق اور ایک دوسرے کو ان زبانوں نے کس حد تک متاثر کیا، اس کی معلومات بھی چاہیے۔ اردو کی پیدائش سے متعلق مختلف نظریات کا بالاستیعاب جائزہ ضروری ہے۔ خاص طور پر محمد حسین آزاد، محمود شیرانی، محی الدین قادری زور، مسعود حسین خاں اور شوکت سبزواری وغیرہ کے نظریات کا انفرادی طور پر محاکمہ کیا جانا چاہیے کیوں کہ ان پر الگ سے کئی بار سوالات پوچھے جا چکے ہیں۔ گیان چند جین اور مسعود حسین خاں کی کتابوں کے علاوہ مرزا خلیل بیگ کی کتابیں— 'اردو کی لسانی تشکیل'، 'اردو زبان کی تاریخ' اور 'لسانی تناظر' کارآمد ثابت ہوں گی۔ اردو اور ہندی کے تعلق پر رام آسرا راز کی ''اردو اور ہندی کا لسانی رشتہ'' اور عبدالستار دلوی کی ''اردو اور سماجی سیاق'' مددگار کتابیں ہیں۔ اردو اور پنجابی کے رشتے پر محمود شیرانی کی کتاب ''پنجاب میں اردو'' اساسی اہمیت کی حامل ہے۔

علاقۂ دکن میں اردو کے فروغ اور ارتقا کا موضوع مقابلہ جاتی امتحانات کے پرچۂ اوّل کی روح ہے۔ مختلف سلاطین کے دور میں اردو نے جو ارتقائی سفر طے کیا ہے، اس کے تاریخی گوشوارے کے ساتھ لسانی امتیازات کی طرف بھی طالب علم کو متوجہ رہنا ہے۔ دکن کے اہم لکھنے والوں بالخصوص محمد قلی قطب شاہ، ملا وجہی اور ولی دکنی کے ادبی اور لسانی مخصوصات کی جانکاری بھی طالب علم کو ضرور چاہیے۔ دکن کے علاوہ شمال میں اردو کے ابتدائی نقوش کے بارے میں طلبا کو پتہ ہونا چاہیے۔ امیر خسرو کے ہندوی کلام کی ادبی اہمیت سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کی ''تاریخ ادب اردو'' (جلد اول)، گیان چند جین اور سیدہ جعفر کی مرتب کردہ ''اردو ادب کی تاریخ''، نصیر الدین ہاشمی کی ''دکن میں اردو'' کے علاوہ مسعود حسین خان اور مرزا خلیل بیگ کی متذکرہ بالا کتابیں طالب علم کے مطالعے میں ضرور رہوں۔

اردو کا مختلف تہذیبوں سے کیا رشتہ ہے، خاص طور پر ہندستانی (ہند آریائی)، اسلامی اور مغربی تہذیب وتمدن کے اثرات اردو پر کیسے ہوئے اور اردو نے ردوقبول کے کون سے زاویے اپنے لیے منتخب کیے— ان موضوعات پر اکثر سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ اردو رسم خط، صوتیات، سرمایۂ الفاظ، صرف ونحو اور ساخت کی امتیازی خصوصیات اور ان کے عربی، فارسی یا ہندوی رجحان پر طالب علم کے پاس اچھی خاصی اطلاع ہونی چاہیے۔ تہذیب وتمدن کے تعلق سے پروفیسر محمد عمر، ڈاکٹر تارا چند، سید عابد حسین اور عبدالستار دلوی کی کتابیں معاون ہوں گی۔ نصیر احمد خاں کی کتاب 'اردو ساخت کے بنیادی عناصر'، گیان چند جین کی 'عام لسانیات' اقتدار عالم خاں کی کتاب ''اردو وصوتیات'' کے علاوہ مولوی عبدالحق، عصمت جاوید اور انصار اللہ کی قواعدیں اور مرزا خلیل بیگ کی کتابیں طلبا کے لیے مددگار رہوں گی۔

پرچۂ اول کا دوسرا حصہ مختلف شعری اور نثری اصناف کے ارتقا کے ساتھ ادبی تحریکات اور مراکز کی تاریخی اہمیت کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ حصہ واقعتاً اردو کی ادبی تاریخ کا مطالعہ بھی ہے۔ شعری اصناف میں غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، رباعی، قطعہ، نظم جدید، آزاد نظم اور نظم معریٰ۔ اور نثری اصناف میں داستان، ناول، مختصر افسانہ، ڈراما، ادبی تنقید، سوانح، مضمون، خطوط اور انشائیے شامل ہیں۔ اکثر سوالات ان اصناف کے تاریخی ارتقا اور مختلف مواقع سے پیدا ہوئیں تبدیلیوں یا رجحانات سے متعلق پوچھے جاتے ہیں۔ قدیم اصناف میں چند کے زوال یا عروج کے اسباب پر بھی سوالات قائم کیے جاتے ہیں۔ کئی بار جدید اصناف پر مغرب کے اثرات یا مختلف سماجی اور سیاسی تحریکوں کے تناظر میں ان کا جائزہ لینے کو کہا جاتا ہے۔ اصناف کے ارتقا سے متعلق اردو میں مجملاً زیادہ کتابیں نہیں ہیں۔ خلیق انجم اور قمر رئیس کی مشترکہ کتاب ''اصناف ادب اردو'' اور ڈاکٹر غضنفر کی کتاب ''زبان وادب کے تدریسی پہلو'' مختصراً معلومات بہم پہنچاتی ہیں۔ شعری اصناف سے متعلق ''مقدمۂ شعر وشاعری'' (الطاف حسین حالی) اور ''اردو شاعری پر ایک نظر''، جلد اول اور دوم (کلیم الدین احمد) کا مطالعہ بھی مناسب ہوگا۔ مختلف اصناف پر الگ الگ کتابیں موجود ہیں لیکن مقابلہ جاتی امتحانات میں شامل ہونے والے طلبہ کے پاس وقت اتنا کم ہوتا ہے کہ ان کتابوں کے مطالعے کا مشورہ دینا ان کے ساتھ بے انصافی ہوگی۔

پہلے پرچے کے دوسرے حصے میں چند ادبی تحریکوں کی تاریخ اور ان کے اردو ادب پر اثرات کا جائزہ لینا ہے۔ ایہام گوئی مع اصلاح زبان، فورٹ ولیم کالج، علی گڑھ، نظم جدید، رومانوی، ترقی پسند، حلقۂ ارباب ذوق، جدیدیت، مابعد جدیدیت اور ہندستان کی جنگِ آزادی جیسی تحریکوں کے تناظر میں اردو ادب کا جائزہ لینا نصاب کے اس حصے کا مقصد ہے۔ ڈاکٹر انور سدید کی کتاب ''اردو کی ادبی تحریکیں'' اور ڈاکٹر منظر اعظمی کی کتاب ''اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکوں اور رجحانوں کا حصہ'' کارآمد کتابیں ہیں۔ اس کے علاوہ ایہام گوئی اور اصلاح زبان کی تحریک پر ڈاکٹر جمیل جالبی کی 'تاریخِ ادب اردو' جلد دوم اور شمس الرحمان فاروقی کی ''اردو کا ابتدائی زمانہ'' اہمیت کی حامل ہیں۔ فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات پر ڈاکٹر عتیق صدیقی اور عبیدہ بیگم، سرسید اور علی گڑھ تحریک پر سید عبداللہ، خلیق احمد نظامی اور قمر الہدیٰ فریدی کی کتابیں معاون ہوں گی۔ ترقی پسند ادبی تحریک پر خلیل الرحمان اعظمی اور جدیدیت کے موضوع پر شمیم حنفی کی کتابیں مددگار ہوسکتی ہیں۔ سید احتشام حسین کی کتاب ''اردو ادب کی تنقیدی تاریخ'' حصہ دوم کے

کئی اہم موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔

اردو کے ادبی مراکز سے متعلق حصہ نصاب کے اعتبار سے مختصر ہے۔ دہلی اور لکھنؤ میں اردو ادب کے ارتقا کا تاریخی گوشوارہ تیار کرنے کے ساتھ ان کے ادبی اور لسانی امتیازات کی پہچان بھی ضروری ہے۔ دونوں مقامات کے درمیان تنازعات کی کیا بنیادیں رہیں اور کیا ان کا موازنہ کیا جا سکتا ہے؟ ان سوالات پر طالب علم کو مرتکز رہنا چاہیے۔ نورالحسن ہاشمی، ابواللیث صدیقی اور علی جواد زیدی کی کتابیں اس حصے کے لیے معاون ہوں گی۔ طلبا سے یہ بھی متوقع ہوگا کہ ان دبستانوں کے عروج اور زوال کے اسباب پر بھی نظر رکھیں اور ہندستان کے دوسرے خطوں میں دیگر کون سے مراکز ابھر کر سامنے آئے، ان کا بھی انھیں پتہ ہو۔ احتشام حسین (اردو ادب کی تنقیدی تاریخ) اور آل احمد سرور (مسرت سے بصیرت تک) میں لکھنؤ اور دہلی کے تنازعات پر میانہ روی کے ساتھ گفتگو کی گئی ہے۔ طالب علم انہیں ضرور پڑھ لیں۔ یونین پبلک سروس کمیشن میں خاص طور پر اردو میں ادبی تنقید کا ارتقا اور حالی، شبلی، کلیم الدین احمد، احتشام حسین اور آل احمد سرور جیسے ناقدین کا ادبی مرتبہ نصاب کا حصہ ہے۔ اس کے لیے ''اردو تنقید پر ایک نظر'' (کلیم الدین احمد)، ''فن تنقید اور تنقید نگار'' (نورالحسن نقوی)، 'مشرقی شعریات اور اردو تنقید کی روایت' (ابوالکلام قاسمی) جیسی کتابیں مددگار ہو سکتی ہیں۔

دوسرا پرچہ طالب علم کی تنقیدی اور تجزیاتی استعداد جاننے کے مقصد سے شامل کیا گیا ہے۔ نثر اور نظم دونوں حصوں میں اردو کی اہم کتابیں شامل ہیں۔ مختلف صوبائی امتحانات دینے والے طلبا کو اس پرچے میں اس وجہ سے دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ کہیں کتابوں کا ایک سیٹ ہے تو دوسری جگہ دوسرا سیٹ۔ اس لیے طالب علم کے لیے ایک وقت میں اچھی خاصی تعداد میں کتابوں کا مطالعہ ضروری ہو جاتا ہے۔ یونین پبلک سروس کمیشن، بہار اور اتر پردیش سول سروسز کے نصاب کو ایک ساتھ کر لیا جائے تو نثر میں تیرہ کتابیں ہو جاتی ہیں۔ باغ و بہار (میرامن)، انتخاب خطوط غالب (مرتبہ خلیق انجم)، نیرنگ خیال (محمد حسین آزاد) آب حیات (محمد حسین آزاد)، امراو جان ادا (مرزا ہادی رسوا)، مقدمہ شعر و شاعری (الطاف حسین حالی)، گئودان (پریم چند)، واردات (پریم چند)، پریم چند کے نمائندہ افسانے (مرتبہ قمر رئیس)، غبار خاطر (ابوالکلام آزاد)، انارکلی (امتیاز علی تاج)، اردو تنقید پر ایک نظر (کلیم الدین احمد)، اپنے دکھ مجھے دے دو (راجندر سنگھ بیدی) اور آخر شب کے ہم سفر (قرۃ العین حیدر) جیسی کتابوں کا مطالعہ لازم ہے۔

''باغ و بہار'' پر ڈاکٹر سلیم اختر اور رشید حسن خاں کی تحریریں ان کی مرتبہ کتابوں میں موجود ہیں۔ ''خطوط غالب'' کے سلسلے سے خلیق انجم کا مقدمہ اور خلیل الرحمٰن اعظمی اور شمیم حنفی کے مضامین طالب علم کے لیے اہمیت کے حامل ہیں۔ ''نیرنگ خیال'' کے رام نرائن لال ارون کمار (الٰہ آباد) اشاعت میں پروفیسر جعفر رضا کا تعارف کارآمد ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلم فرخی کی محمد حسین آزاد پر لکھی کتاب جس طالب علم کو حاصل ہو جائے، اُسے اس کا مطالعہ کر لینا چاہیے۔ امراؤ جان ادا کے لیے ڈاکٹر آدم شیخ، خورشید الاسلام اور پروفیسر عبدالسلام کی کتابیں معاون ہو سکتی ہیں۔ ''مقدمہ شعر و شاعری'' کے تعلق سے کلیم الدین احمد، ابوالکلام قاسمی، معین احسن جذبی اور وارث علوی کی کتابیں اہم ہیں۔ پریم چند کے لیے قمر رئیس، جعفر رضا کی کتابوں کے علاوہ ہندی میں چھپی مختلف کتابوں سے بھی رجوع کرنا چاہیے۔ 'گئودان' پر راج شیکھر گرو (رادھا کرشن)، گوپال رائے (انوپم پرکاشن) اور ستیہ پرکاش (سمت پرکاشن) کی کتابیں ضرور مطالعے میں رہیں ''قلم کا مزدور'' عنوان سے مدن گوپال نے پریم چند کی جو سوانح لکھی ہے اس کا بھی مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا۔

''غبار خاطر'' پر رشید حسن خاں (تفہیم)، اسلوب احمد انصاری (ادب اور تنقید) کے مضامین اور ملک زادہ منظور احمد کی کتاب ''غبار خاطر کا تنقیدی مطالعہ'' طالب علم کے لیے ضروری ہے۔ ''انارکلی'' کی ادبی اہمیت کے تعلق سے محمد حسن اور محمود الٰہی کے مضامین موجود ہیں۔ کلیم الدین احمد کی تنقید نگاری پر ڈاکٹر ابرار رحمانی اور ڈاکٹر آفتاب احمد کی کتابیں قابل مطالعہ ہیں۔ بہار اردو اکادمی نے ''کلیم الدین احمد سمینار کے مقالے'' کے عنوان سے جو کتاب شائع کی ہے، اس سے بھی مدد مل سکتی ہے۔ ''اپنے دکھ مجھے دے دو'' پر امتحان کے نقطۂ نظر سے پروفیسر وہاب اشرفی کی کتاب کے علاوہ وارث علوی کی مونوگراف کے ساتھ ساتھ ''بیدی نامہ'' (شمس الحق عثمانی)، باقر مہدی اور گوپی چند نارنگ کے مضامین مطالعے میں ہوں تو بہتر ہے۔ قرۃ العین حیدر سے متعلق مختلف مضامین ڈاکٹر ارتضا کریم نے یکجا کر دیے ہیں۔ شہنشاہ مرزا، پروفیسر عبدالسلام اور شمیم حنفی کے متعدد مضامین قرۃ العین حیدر کے فن کو سمجھنے میں مدد پہنچا سکتے ہیں۔

دوسرے پرچے کے حصہ نظم میں دس شعرا شامل ہیں۔ ''انتخاب کلام میر''، ''قصائد سودا مع ہجویات''، مثنوی ''سحر البیان''، ''دیوان غالب''، ''کلیات شاد عظیم آبادی''، ''بال جبریل''، ''کلام فیض'' (نقش فریادی، دست صبا، زنداں نامہ، دست تہ سنگ) ''روح کائنات''، ''گل نغمہ''، ''سیف وسبو''، ''بیتے لمحات'' جیسی کتابیں پرچۂ دوم میں طلبا کے لیے موجود ہیں۔ میر کی شاعری کے لیے جمیل جالبی، حامدی کاشمیری اور شمس الرحمٰن فاروقی کی کتابیں قابل مطالعہ ہیں۔ سودا کی شاعری پر شیخ چاند، جمیل جالبی، کلیم الدین احمد اور قاضی افضال حسین کی تحریروں کو ضرور پڑھنا چاہیے۔ مثنوی ''سحر البیان''

پر کلیم الدین احمد (’اردو شاعری پر ایک نظر‘، جلد اول، اردو داستان اور فن داستان گوئی)، خان رشید (اردو کی تین مثنویاں)، سید عبداللہ (بحث ونظر)، احتشام حسین (تنقیدی جائزہ)، قمر الہدیٰ فریدی (’داستان: تنقید و تحقیق‘ اور ’سحر البیان‘ کا مقدمہ) کی تحریروں سے بھرپور روشنی حاصل کی جاسکتی ہے۔

غالب کی شاعری پر عبد الرحمان بجنوری، مجنوں گورکھ پوری، خورشید الاسلام، رشید احمد صدیقی، ظ۔ انصاری، سردار جعفری، شمس الرحمٰن فاروقی (خدائے سخن۔ میر یا غالب، غالب کی میری) کی تحریریں کارآمد ہیں۔ حالی کی ’یادگار غالب‘‘ کا مطالعہ بھی بہت ضروری ہے۔ شاد عظیم آبادی کی شاعرانہ حیثیت پر کلیات کے مقدمہ میں کلیم الدین احمد نے تفصیل سے لکھا ہے۔ طلبہ کے لیے یہ کافی مددگار ہوسکتا ہے۔ اقبال کی شاعری پر یوں تو کتابوں کی کمی نہیں لیکن مضامین کے چند ایسے مجموعے ہیں جنہیں پڑھ کر طالب علم اقبال کے تعلق سے مختلف سوالات کا حل تلاش کرسکتا ہے۔ وقار عظیم، رفیع الدین ہاشمی، اسلوب احمد انصاری، نور الحسن نقوی، گوپی چند نارنگ کی کتابیں طلبہ کو فائدہ پہنچائیں گی۔ اقبال کی غزل گوئی پر شمیم حنفی اور شمس الرحمٰن فاروقی کے مضامین بھی کارآمد ہوں گے۔ فیض کی شاعرانہ عظمت کے تعلق سے آل احمد سرور، محمد حسن، شمیم حنفی اور شمس الرحمٰن فاروقی کے مضامین توجہ سے پڑھے جانے چاہیے۔

فراق گورکھپوری کی شاعرانہ حیثیت کے لیے محمد حسن عسکری کے مضامین ضرور پڑھ لینا چاہیے۔ ڈاکٹر افغان اللہ کی ضخیم کتاب ’’فراق کی شاعری‘‘ پر ہندی تہذیب اور انگریزی شاعری کے اثرات کے بارے میں بھی اس کتاب میں مواد موجود ہے۔ اس کے علاوہ فراق کی نظم نگاری، غزل گوئی اور رباعی نگاری سے متعلق بھی اس کتاب کے ابواب طالب علم کے لیے کافی مددگار ہیں۔ جوش کی شاعری پر احتشام حسین کی مختصر کتاب کے علاوہ طالب علم کو کلیم الدین احمد (اردو شاعری پر ایک نظر، جلد دوم) محمد حسن (معاصر ادب کے پیش رو) ابن فرید (میں، ہم اور ادب) اور رشید حسن خاں (تلاش و تعبیر) کتابوں میں موجود حصے کو ضرور پڑھ لینا چاہیے۔ جوش کی شاعری پر گوپی چند نارنگ اور ظ۔ انصاری کے مضامین (رسالہ الفاظ، علی گڑھ) بھی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ اختر الایمان کی شاعرانہ عظمت پر محمد فیروز اور شاہد ماہلی کی مرتبہ کتابوں کے علاوہ شمیم حنفی (شب خون) باقر مہدی (اظہار) اور زاہدہ زیدی (علم و ادب) رسائل میں شائع شدہ مضامین کافی مددگار رہوں گے۔

طلبا کو اپنی تیاری کے دوران بعض اہم لائبریریوں سے قریب ہونا کافی فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اہم شہروں میں ایسے کتب خانے عام طور پر موجود ہیں۔ بعض ادیبوں، شاعروں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے پاس بھی کتب و رسائل کا اچھا خاصا ذخیرہ ہوتا ہے۔ اگر ان سے مدد لی جائے تو کتابوں کے علاوہ رسائل کے دفینوں میں موجود بعض بہترین معاون چیزیں یکجا شکل میں بھی مل جائیں گی۔ خاص طور پر بعض اہم ادبی شخصیات پر شائع شدہ رسائل کے خاص شمارے بے حد کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں۔ روح ادب (کلکتہ)، آج کل (دہلی)، ایوان اردو (دہلی)، فکر و نظر (علی گڑھ) اور جامعہ (دہلی) کے ابوالکلام آزاد نمبر، فکر ونظر (علی گڑھ) کے حالی نمبر، عصری آگہی (دہلی) کے رجندر سنگھ بیدی نمبر، روح ادب (کلکتہ) کا فیض نمبر، زبان وادب (پٹنہ) کا شاد عظیم آبادی نمبر، عصری آگہی (دہلی) اور نیا سفر (الہٰ آباد) کے جوش ملیح آبادی نمبر، آج کل (نئی دہلی) کا اختر الایمان نمبر اور جامعہ (دہلی)، انعکاس (مظفر پور) اور نیا دور (لکھنؤ) کے فراق نمبر گذشتہ دو دہائیوں میں منظر عام پر آئے ہیں اور عام طور پر کتب خانوں اور اصحاب علم کے پاس بہ آسانی مل سکتے ہیں۔ طلبا رسائل کے ان خصوصی شماروں سے اپنے کام کی چیزیں بہت کم وقت میں تلاش کرسکتے ہیں۔

زبان وادب کے پرچے میں تشریح کا حصہ طلبا کو سب سے زیادہ پریشانی میں ڈالتا ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ طالب علم کی ایسی کوئی تربیت اسکول، کالج یا یونیورسٹی میں مستقل طور پر نہیں ہوئی ہے۔ جن کا مضمون یونیورسٹی میں اردو رہا ہے، ان کے حالات بھی باب تشریح میں کچھ دیگر نہیں ہوتے۔ شاعری اور نثر دونوں حصے سے تشریح کے لیے اقتباسات دیے جاتے ہیں۔ شاعری میں متفرق اشعار کے علاوہ غزل یا نظم سے سات آٹھ مصرعوں پر مشتمل ٹکڑے بھی تشریح کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔ غالب اور اقبال کے اشعار کی شرحیں جو بازار میں دستیاب ہیں، ان میں سے اکثر دقیانوسیت زدہ ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ شمس الرحمٰن فاروقی کی مشہور زمانہ شرحیں ’’تفہیم غالب‘‘ اور ’’شعر شور انگیز‘‘ (چار جلدیں) بھی جدید معاشرے کے پروردہ ذہن کی مکمل عکاسی نہیں کرتیں۔ اردو کے اساتذہ نے نثری متن کو تعبیر و تشریح کے لائق ابھی سمجھا ہی نہیں۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دور دور تک کوئی ایسی کتاب نہیں دکھائی دیتی جس میں یہ ترکیب بتائی گئی ہو کہ باغ و بہار، خطوط غالب، نیرنگ خیال، مقدمہ شعر و شاعری، امراؤ جان ادا، انارکلی، گئودان، آخر شب کے ہم سفر، اپنے دکھ مجھے دیدو، جیسی اہم ترین کتابوں کے اقتباسات کا کس طرح سے تجزیہ کیا جائے کہ ممتحن طالب علم کو کامیاب گردان سکے۔

پرچۂ دوم میں تشریح کا حصہ ۴۰ فیصدی ہے۔ اکثر طلبا اس حصے میں اتنا کمزور مظاہرہ کرتے ہیں کہ ممتحن انہیں پچیس، تیس فی صدی نمبر بھی بہ مشکل دے سکتا ہے۔ جس کی وجہ سے کل نمبر کا تناسب غیر متوقع طور پر کم ہو جاتا

ہے۔ دوسرے پرچے میں کتابوں اور ادیبوں، شاعروں پر جو براہ راست سوالات ہوتے ہیں، انہیں طلبا بہر طور تیاری کے ساتھ لکھ لیتے ہیں۔ مسئلہ تشریح کے حصے میں پیدا ہوتا ہے۔ عام طور پر طلبا کی یہ شکایت ہوتی ہے کہ پہلے پرچے میں زیادہ نمبر آتا ہے اور دوسرے پرچے میں کم۔ جب کہ ہر طالب علم کو یہ پتہ ہے کہ پہلے پرچے کا نصاب بے حد وسیع ہے۔ کوئی امیدوار آسانی سے اندازہ نہیں کر سکتا ہے کہ کس حصے سے کون سا سوال پوچھ لیا جائے گا۔ جب کہ دوسرے پرچے میں کتابیں اور مصنّفین دونوں طے شدہ ہیں۔ یہ اَن ہونی صرف اس لیے ہوتی ہے کہ ہمارے طلبہ کو تشریح کے حصے میں کافی کم نمبر آتے ہیں۔ اس لیے طلبا کو اگر کامیابی کے مدارج طے کرنا ہے تو حصہ تشریح کو بہت مستحکم اور مضبوط بنانا ہوگا۔ شاعری کے ساتھ نثر کے اقتباسات کی مشق اور خاص طور پر میر، میر حسن، غالب، اقبال، فیض، فراق اور اختر الایمان کی شاعری اور باغ و بہار، غبار خاطر، خطوط غالب، گئودان، نیرنگ خیال اور 'اپنے دکھ مجھے دے دو' کے اقتباسات کو روزانہ کی مشق کا حصہ بنانا ہوگا۔ اس کے بغیر کوئی طالب علم ۷۰۔۷۵ فی صد نمبر کی تمنا رکھتا ہے تو اسے اس کی خوش خیالی قرار دی جائے گی۔

یونین اور اتر پردیش سول سروسز کے امتحانات کے پہلے پرچے میں دو لازمی سوالات مختصر نوٹ کے تین ٹکڑوں پر مشتمل پوچھے جاتے ہیں۔ زبان اور ادب دونوں حصوں سے کون سے سوالات پوچھ لیے جائیں گے، اس کا اندازہ کسی طالب علم کو نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ لازمی سوالات بھی چالیس فی صدی حصہ لے لیتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ان سوالوں کے جوابوں میں آپ کمزور کارکردگی پیش کرتے ہیں۔ ایسے طلبا اس لازمی حصے میں بھی بُرا حال ہوتا ہے۔ نتیجہ بتانے کی ضرورت نہیں، کامیابی دو چار قدم اور دور ہو جاتی ہے۔ اگر طلبا تشریح اور لازمی سوالوں کے نقطۂ نظر سے مختصر جوابات لکھنے کی مشق کرنے لگیں تو اس صورت حال کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ طالب علم کے پاس اطلاعات کی کمی ہے۔ اشعار یا اقتباسات بھی وہ قریب قریب سمجھ رہا ہے۔ لیکن اسے اپنی باتوں کو سلسلے وار ڈھنگ سے لکھنے کی مشق نہیں ہے۔ صلاحیت ہونے کے باوجود اسے اپنے اوپر اتنا اعتماد نہیں کہ ۲۴۰ (یونین پبلک سروس کمیشن)، ۱۶۰ نمبر (اتر پردیش پبلک سروس کمیشن)، ۱۶۰ نمبر (جھارکھنڈ پبلک سروس کمیشن) اور ۴۰ نمبر (بہار پبلک سروس کمیشن) کے سوالات وہ صرف اپنے دم خم پر لکھ دے۔ لیکن جو طالب علم اس کی مشق کرتا ہے۔ اسے توقع سے زیادہ نمبر آتے ہیں اور وقت سے پہلے چمکتی ہوئی نوکریاں قدم چومنے آجاتی ہیں۔

سول سروسز کے امتحانات لاکھوں امیدواروں میں سے چند کو منتخب کرنے کے مقصد سے منعقد ہوتے ہیں۔ اس لیے اس کی تیاری کرنے والوں پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ سرسری طور اختیار نہ کریں۔ آپ کے علم میں وسعت اور گہرائی دونوں چاہیے۔ اس لیے نصاب کے کسی حصے کو دشوار سمجھ لینا اور اس سے الگ ہو جانے کا اصول خطرناک ہوگا۔ طالب علم کے لیے یہ ضروری ہے کہ موضوع کے ممکنہ تمام گوشوں کے اندھیرے اور اجالے پہلوؤں کو اپنی معلومات سے پانی کر دیں۔ کامیابی کے لیے کوئی مختصر راستہ کبھی نہیں ہوتا۔ اگر ماضی میں کسی نے شارٹ کٹ اختیار کر کے کامیابی پائی تو یہ اس کا نصیب! اسے مستثنیٰ تصور کریں۔ ارادہ یہی ہونا چاہیے کہ نصاب کے ظاہر اور بین السطور دونوں حصوں میں جو موضوعات ہیں، انہیں اپنی معلومات کا حصہ بنائیں۔ اس کے علاوہ اس سے متعلقہ امور اور علمی نکتے بھی از خود پڑھ لینے میں فائدہ ہے۔ حیات جاوید پر ۲۰۰۰ء میں یو پی ایس سی میں مکمل ایک سوال پوچھنے کا نصاب کے اعتبار سے صرف یہ جواز ہے کہ سوانح نگاری کو بطور صنف طالب علم کو پڑھنا ہے۔ اسی طرح ۴۳ ویں بی پی ایس سی میں ''ضرب کلیم'' کے ایک شعر کی تشریح کرنے کو کہا گیا ہے جب کہ ''بال جبریل'' نصاب میں شامل ہے۔ اب اسے ''نصاب سے باہر'' سمجھ کر بھی طالب علم کے لیے کیا چارۂ کار بچتا ہے۔ طلبا کو میرا مشورہ ہے کہ وہ نصاب کے 'دائیں اور بائیں' کے موضوعات کو بھی اپنے نصاب کا حصہ سمجھیں۔

عام طور پر سول سروسز کے امتحانات میں اردو مضمون رکھنے والے طالب علم اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں ماضی میں اردو زبان و ادب میں باضابطہ تعلیم نہیں حاصل ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کی ابتدائی صلاحیت بس واجبی ہوتی ہے۔ قواعد اور صرف و نحو کے ابتدائی اسباق میں بھی ایسے طالب علم اکثر کمزور ہو جاتے ہیں۔ اس لیے اب طلبا اور ان کے اساتذہ دونوں کے لیے یہ ایک چیلنج ہوتا ہے کہ کم سے کم میعاد میں یہ طالب علم ابتدائی مرحلے سے آگے بڑھ کر آسمان تک پَروں سے اُڑنے لگیں۔ بہ ظاہر یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے لیکن تجربہ بتاتا ہے کہ کامیابی کی یہ دنیا ناقابل تسخیر نہیں۔ میں نے خود ایسے طلبا کو دیکھا ہے جو پہلے دن ایک صفحے میں پچاس غلطیاں (محاورۃً نہیں، عدداً) کرتے تھے لیکن انہوں نے مشقت اور ریاضت کے بل بوتے چھ ماہ کے اندر یہ صلاحیت پیدا کر لی کہ وہ اردو کے ریسرچ اسکالروں اور بعض اساتذہ کو تعلیمی محاذ پر پیچھے چھوڑ سکتے ہیں۔ اس لیے اردو کے طالب علم کو مایوسی کے بجائے مطالعہ اور مشق کے اسلحے سے خود کو آراستہ کرنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ کامیابی بالکل سامنے، بس دو چار قدم دور انتظار کر رہی ہے۔ ☐☐

سید بلال احمد کرمانی ☆

قصیدۂ ورد المریدین: تعارف و تعلیم

''قصیدۂ وردالمریدین'' حضرت سلطان شیخ حمزہ مخدومی کشمیری کے ایک نامور خلیفہ حضرت بابا داؤد خاکی کی تصنیف ہے۔ یہ قصیدہ فارسی زبان میں ہے۔ اس میں ۴۴۰ اشعار ہیں۔ اس میں صاحبِ قصیدہ نے اپنے مرشد حضرت مخدوم شیخ حمزہ کے باطنی و ظاہری احوال، تصوف کے رموز، قربِ خداوندی اور رضائے مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کرنے کے نادر نسخے بیان کیے ہیں، جو مریدین کے لیے نسخۂ کیمیا کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس قصیدہ کی باقی قصائد سے کچھ منفرد شان ہے۔ اول یہ کہ جب حضرت خاکی نے یہ قصیدہ نظم کیا اس وقت ان کے مرشد کامل حیات تھے یعنی ان کی ظاہری زندگی میں ہی قصیدہ لکھا، بلکہ حضرت محبوب العالم اکثر و بیشتر اس قصیدہ پر نظرِ ثانی فرماتے۔ دوسری خصوصیت یہ کہ یہ قصیدہ دربارِ نبوی میں مقبول ہوئے قصائد میں سے ایک ہے۔ اس قصیدہ کی یہ بھی ایک خوبی ہے کہ صاحبِ قصیدہ نے بذاتِ خود قصیدہ وردالمرین کی شرح 'دستور السالکین' کے نام سے کی، جس سے اشعار کا حقیقی منشا نثر میں ظاہر ہوا۔ اس طرح یہ دستاویز ہدایت نظم و نثر میں اپنا فیضان بکھیر رہی ہے مگر بقول شاعر:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دِکھلائیں کسے راہروِ منزل ہی نہیں

اس قصیدہ کے نام 'وردالمرین' سے ہی یہ بات سمجھ آ رہی ہے کہ یہ مریدین کے لیے نسخۂ کیمیا ہے۔ یہ نام بھی خود محبوب العالم نے ہی اس قصیدہ کے لیے منتخب فرمایا جیسا کہ علامہ خاکی ایک شعر میں اس کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

مدح شیخ ایں نظم من وردالمرین نام یافت
زانکہ وردش ساختن بر ہر مریدا جدر شداست

علامہ خاکی اس قصیدے کے نظم کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: میں نے ماہِ صیام میں اپنے پیر برحق کے حکم سے خلوت اختیار کی اور عبادت میں محو ہوا۔ دورانِ عبادت مجھے یہ خیال آیا کہ ایک قصیدہ لکھوں۔ میں نے خیال آتے ہی قلم اُٹھایا تو کم و بیش چالیس اشعار لکھ ڈالے۔ ایک روز حضرت محبوب العالم نے مجھے بلاوا بھیجا میں حاضر خدمت ہوا تو آپ نے فرمایا کہ: خلوت میں کیا کرتے ہو؟ میں نے یہ مسودہ ان کی طرف بڑھایا۔ حضرت محبوب العالم نے دیکھا اور فرمایا کہ میں نے رات ہی ایک خواب دیکھا جس میں میں نے تجھے ایک باغ کو سینچتے دیکھا۔ اس قصیدہ کو مزید نظم کرو، میرے خواب کی یہی تعبیر ہے۔ یہی قصیدہ میرے مریدین کے ایمان، عقائد و اعمال کی حفاظت کرے گا۔ یہی 'وردالمریدین' بنے گا۔

حضرت بابا داؤد خاکی نے اپنے مرشد کی زبان سے یہ الفاظِ تحسین سنے اور قصیدہ مزید نظم کرنا شروع کیا۔ اسی دوران ایک رات خواب میں ایک نورانی شخصیت آئی۔ سرمہ دانی کھولی پھر میری دونوں آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ میں نے یہ خواب پیر برحق کے پاس جا کر کہا۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ حضرت شاہ ولایت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تھے جنھوں نے اپنے دست مبارک سے آپ کی آنکھوں میں باطنی سرمہ سجایا۔ یہ قصیدہ ہر پڑھنے، سننے اور لکھنے والے کو خدائے تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے میں رہنمائی کرے گا بلکہ یہ بھی فرمایا کہ اس قصیدہ شریف کے پڑھنے، سننے اور لکھنے والے کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بشارت ہے۔ اس بات کو حضرت بابا داؤد خاکی نے قصیدہ شریف کے ایک شعر میں ہی ذکر کیا فرماتے ہیں:

کاتب و قاری و سامع ہم بشارت یافتند
آنکہ رحمت بر سرایں ہر سہ مسمطر شداست

حضرت بابا داؤد خاکی کی جب حضرت سلطان العارفین شیخ حمزہ سے پہلی ملاقات ہوئی تو حضرت خاکی اس وقت ایک بہت بڑے عالمِ دین اور قاضیِ وقت تھے یعنی سب کچھ تھا ان کے پاس، نہ تھا تو بس اطمینانِ قلب۔ لیکن حضرت پیر کے ساتھ پہلی ہی ملاقات میں حضرت پیر کی ایک ہی نظر نے حضرت خاکی کے دل کی دنیا ہی بدل ڈالی۔ ہلچل اور بے اطمینانی ختم ہوئی۔ دل کو قرار اور روحانی اطمینان حاصل ہوا۔ اس پیر برحق کی اس کرامت کا ذکر حضرت خاکی قصیدہ کے پہلے شعر میں خدائے تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں:

شکر للہ حالِ من ہر لحظہ نیک وتر شداست
شیخ شیخیان شیخ حمزہ تا مرا رہبر شداست

حضرت بابا داؤد خاکی فرماتے ہیں کہ: میرے پیر حضرت شیخ حمزہ کو اللہ تعالیٰ نے عارفوں کا سلطان بنایا ہے کیونکہ پیر برحق نے قرآنِ پاک کو اپنے قلب و روح میں اُتارا اور اتباعِ رسول میں کامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے یوں وعدہ فرمایا ہے:

☆ اسلامک ریسرچ اینڈ ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ، سلسبیل بلڈنگ، رحمت آباد سرینگر، کشمیر

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا. (ہم اس کو اپنی طرف راہ دیتے ہیں جو ہماری راہ میں دن رات جدوجہد کرے)

حضرت سلطان اس آیت مبارکہ کے زندہ نمونہ تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے پیر برحق کو خشکی اور تری کا مالک بنایا تھا۔ حضرت بابا داؤد خا کی اپنے قصیدہ کے اس شعر میں یہ بات فرما رہے ہیں:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا خواندہ چوں سعی وجہد کرد
حق نمودش راہ چوں ہادی بحر وبر شد است

اللہ تعالیٰ نے دین کی خاطر جدوجہد کے بعد کامیابی حاصل کرنے کے لیے استقامت شرط قرار دی ہے۔ حضرت سلطان العارفین کے بارے میں حضرت خا کی فرماتے ہیں کہ: جو کچھ میرے پیر برحق نے علم حاصل کیا اس علم کے مطابق عمل بھی کرتے رہے اور استقامت بھی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو رفیع واعلیٰ درجات پر فائز فرمایا۔ اس بات کا اظہار حضرت خا کی نے 'قصیدہ وردالمریدین' میں اس طرح کیا ہے:

استقامت چوں نمود اندر عمل در ماعلم
علم مالم یعلمش حق داد و دین پرور شد است

خدا تعالیٰ کا قرب اور رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا حاصل کرنے کے لیے شریعت مطہرہ پر عمل لازم ہے۔ قانونِ خداوندی کا جاننا شریعت کہلاتا ہے اور اس قانون کو اپنی زندگی میں اپنانا طریقت کہلاتا ہے۔ جب راہِ خدا پر چلنے والا سالک قانون کی جانکاری حاصل کر کے اس کو اپنی زندگی میں اپناتا بھی ہے تو وہ حقیقت تک پہنچتا ہے۔ حضرت خا کی فرماتے ہیں کہ: میرے پیر شریعت وطریقت سے ہوتے ہوئے حقیقت تک پہنچ چکے تھے۔

اوشریعت راست ناصر در طریقت مجتہد
بہر اسرار حقیقت صدر او مصدر شد است

حضرت سلطان العارفین شریعت کے شہسوار تھے اور طریقت کے مجاہد جو فقط حقیقت تک ہی نہ پہنچا بلکہ ان کا سینۂ مبارک حقیقت کے رموز کا خزانہ بن گیا جن کو وہ ہر وقت اپنے مریدین اور سالکین میں تقسیم فرماتے تھے۔

غرض حضرت سلطان العارفین کو وصل حق میں بہت اونچا مقام حاصل تھا۔ ایک روز جب نادی ہل بانڈی پوری کی طرف نکلے تو پہلے اپنے مرید صوفی الہداد کو کہہ رکھا تھا کہ جب شام کو گھوڑے وغیرہ کو گھاس ڈالنے کے لیے اصطبل کی چھت پر گھاس لانے جاؤ گے تو اوپر چراغ جلا کر نہ لے جانا کہیں بےفکری میں وہاں گھاس میں آگ نہ لگے۔ یہ نصیحت کر کے آپ کوہِ ماران سے چلے۔ رات کو نادی ہل میں آپ تشریف فرما ہیں تو اچانک آپ نے ہوا میں زوردار تھپڑ رسید کیا۔ آپ کے اردگرد بیٹھے مریدین نے بھی دیکھا کچھ یوم کے بعد جب حضرت پیر واپس شہر آئے تو صوفی اللہ داد نے اپنی روداد سنائی کہ میں ایک روز شام کو چھت پر گھاس لانے چڑھا۔ چراغ ہاتھ میں تھا تو نہ جانے کسی نے مجھے زوردار تھپڑ مارا اور میں نیچے گرا تو اس پر مریدین کو نادی ہل سے حضرت پیر کا ہوا میں تھپڑ مارنا یاد آ گیا اور اُنھوں نے صوفی الہداد سے کہا کہ وہ تھپڑ حضرت پیر نے مارا تھا کیونکہ تم کو پہلے ہی بتایا گیا تھا کہ چراغ لے کر چھت پر گھاس اُتارنے نہ جانا۔ روشن ضمیر پیر میلوں دور سے بھی تمہارے حال سے باخبر تھا۔ سبحان اللہ!

اس واقع کو حضرت بابا داؤد خا کی اس شعر میں بیان کرتے ہیں:

بہر تادیب یکی نوکر کہ اندر شہر بود
مشت زد از نادِ ہل واقع بر آں نوکر شد است

حضرت بابا داؤد خا کی فرماتے ہیں کہ: مرشد پاک نے فرمایا کہ دیندار لوگوں اور دین کی محبت ہر مسلمان پر فرض ہے اور جنت کی چابی ہے کیونکہ دین اور دینداروں سے اللہ محبت کرتا ہے اسی طرح دنیا کی محبت اور جاہ پرستی سے دور رہو کیونکہ اس میں مسلمانوں کا نقصان اور خسارہ ہے حضرت خا کی یوں فرماتے ہیں:

حبِ دینداراں و دین فرض وکلیدِ جنت است
حبِ اموال است مار وحب جاہ اژدر شد است

حضرت محبوب العالم کا گھرانہ، آباء واجداد سب سنی تھے۔ آپ کے والد صاحب آپ کو تجر شریف سوپور سے سرینگر تعلیم حاصل کرنے کے لیے لائے تو اس وقت شیخ الاسلام بابا فتح اللہ صاحب خانقاہ شمسی چک میں درس دیتے تھے۔ حضرت شیخ حمزہ کے والد نے اس خانقاہ میں ان کو تعلیم وتربیت کے لیے ڈالا۔ حضرت شیخ حمزہ تعلیم حاصل کرنے لگے تو دوران تعلیم وتربیت ہی ایک دن اس علاقہ میں ایک شخص جو شیعہ تھا، حرمین شریفین کی زیارت سے آیا۔ سب لوگ اس سے ملنے کے لیے جاتے تھے۔ آپ بھی چلے گئے۔ حاجی صاحب نے حضرت شیخ سے نام وکام کے متعلق پوچھا تو آپ نے طالب علم ہونے کا اظہار کیا۔ کتابوں کے بارے میں پوچھا تو وہ بھی آپ نے صاف صاف بتادیا۔ حاجی صاحب نے آپ کو اہل تشیع کی کتابیں خصوصاً رسالہ امامیہ وغیرہ پڑھنے کو کہا تا کہ آپ راہِ راست کو پاسکیں۔ حضرت حمزہ

اس بات سے محزون ہوئے اور آپ کے ذہن میں انتشار پیدا ہوا کہ آخراب کریں تو کیا کریں؟ آپ نے پروردگار پر معاملہ چھوڑتے ہوئے عہد کیا کہ جب تک خدائے تعالیٰ مجھ پر راہِ حق واضح نہ کردے گا میں کچھ بھی نہ کھاؤں گا، نہ پیوں گا۔اس کے بعد کوہ ماران کی ایک مسجد میں آپ معتکف ہوگئے۔

تین روز ہی گزرے تھے کہ ایک دن دوپہر میں آپ نے خواب دیکھا کہ ایک سراپا نورانی شخصیت جلوس کے ساتھ کوہ ماران کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ میں نے خواب میں ہی معلوم کیا تو کہا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چہار یار باصفا کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔آپ فرماتے ہیں کہ سنتے ہی میں نے صلوٰۃ وسلام شروع کی۔اس کے بعد سیدنا صدیق اکبر میرے پاس تشریف فرما ہوئے۔انھوں نے فرمایا: اگر ابدی آرام ونجات چاہتے ہو تو خدا تعالیٰ اور جنابِ رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے بعد چار یارِ باصفا کی محبت دل میں رکھ اور جب تک دنیا میں رہوگے اہل سنت وجماعت کے مذہب پر مضبوط رہ۔ پھر حضرت عمر آپ کے پاس تشریف لائے اور یہی نصیحت فرمائی۔ پھر حضرت عثمان تشریف لائے اور یہی نصیحت فرمائی، پھر حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ آکر فرمانے لگے: ''اے عزیز! جو کوئی سیدِ مختار کے صحابوں میں سے ان تین یاروں کو بہترین نہ جانے گا اور ان کے چوتھے کی محبت نہ ہوگی۔اس سے خدا اور رسول خدا اور یہ تین یار اور میں بیزار ہوں اور سارے مومن اور فرشتے۔ یہ کہہ کر سب حضرات غائب ہوگئے۔

اس واقعے کا ذکر حضرت خاکی نے اس شعر میں کیا ہے:

مصطفیٰ را ہم مع الاصحاب دیدہ بارہا

زاں سبب در مذہبِ سُنیہ راسخ تر شداست

حضرت بابا داؤد خاکی اپنے پیر برحق کے سلسلۂ سہروردیہ کے بارے میں کہتے ہیں یہ ایسا سلسلہ ہے کہ اس کے ساتھ متعلق ہوکر آدمی کی کامیابی ضروری اور لازمی ہے کیونکہ اس سلسلۂ مبارکہ کے مرشد اعظم شاہ ولایت حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہیں جو کہ ساقیِ کوثر ہیں۔اس بات کو حضرت خاکی نے اس طرح نظم کیا ہے۔فرماتے ہیں:

غم نباید خورد مارا روز حشر از تشنگی

منبع ایں سلسلہ چوں ساقیِ کوثر شداست

حضرت خاکی فرماتے ہیں: حضرت پیر برحق کو معرفت وحقیقت کے اسرار کی تہہ اور گہرائی میں پہنچنے کے لیے حضرت ولی تراش ابوالجناب شیخ نجم الدین کبریٰ نے بھی کشف اور اپنی تعلیمات کے ذریعے رہنمائی فرمائی۔ علم سلوک میں حضرت شیخ کبریٰ نے جو دس اصول طے کیے آپ ان پر استقامت کے ساتھ قائم رہے وہ دس اصول یہ ہیں حضرت خاکی فرماتے ہیں:

توبہ و زہد و توکل ہم قناعت خلق خوش

کردہ و در عزلت از توفیق حق اذکر شداست

در توجہ رو نہادہ صبر را صابر شد است

در مراقب ثابت و اندر رضا مشکر شداست

وہ دس اُصول یہ ہیں:

(۱) توبہ کرنا (۲) دنیا سے بے رغبتی اختیار کرنا (۳) خدا تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کرنا (۴) قناعت کرنا (۵) خوش خلقی اختیار کرنا (۶) خلوت نشینی کو پسند کرنا (۷) خدا تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونا (۸) مصیبتوں اور محنتوں پر صبر کرنا (۹) مراقبہ میں ثابت قدم رہنا (۱۰) حکم اور قضائے الٰہی پر شکر وسپاس کیساتھ خوش اور راضی ہونا۔

حضرت خاکی فرماتے ہیں کہ حضرت سلطان العارفین مسلمانوں کو جن شیطانوں اور انسان شیطانوں سے محفوظ رہنے کے لیے اوراد شریف بعد فجر کے علاوہ بعد عشا نماز پڑھنے کی تلقین کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ ورد دوستانِ خدا کا وظیفہ ہے۔جیسا کہ خاکی فرماتے ہیں:

بعدِ خفتن ہم بخوان اَوراد فتحیہ بصدق

بامریداں زِاولیاش ایں امر ہم یک مرشداست

الغرض یہ قصیدہ وردالمرین برکتوں، رحمتوں اور سرخروئی حاصل کرنے کا بہترین نسخہ ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ قصیدہ وردالمریدین کا مطالعہ کریں اس قصیدے کے تراجم بھی بازار سے دستیاب ہیں۔

اس کے آخری شعر میں حضرت بابا داؤد خاکی اپنے پیر سے عرض کرتے ہیں: اے میرے پیر برحق! میرے حال پر اپنی ایک نظر کرم فرمایئے وہی نظر کرم جس سے ایک دن کوہِ ماران کا پتھریلا پہاڑ آپ نے میری تربیت کی خاطر سونا ہی سونا بنایا تھا مجھ پر کیجیے تاکہ میں بھی مقرب ہوجاؤں۔

یک نظر بر حال زار خاکیِ بے چارہ کن

زاں نظرہائے کہ خاک تیرہ زاں چوں زر شداست

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اولیائے کرام کی تعلیمات وہدایات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین! ❑❑

دوسری قسط

اتحادِ امت: تفہیم و تجزیہ

جمعیۃ علمائے پاکستان کے سابق جنرل سکریٹری، ممتاز سنی عالم دین اور مشہور سیاسی قائد مجاہد ملت حضرت علامہ مولانا عبدالستار خاں نیازی علیہ الرحمۃ کی شخصیت برصغیر کے علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ آپ ضلع میانوالی پنجاب (پاکستان) کے رہنے والے تھے۔ جمعیۃ علمائے پاکستان میں قائد اہل سنت حضرت علامہ شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ والرضوان کے ساتھ بحیثیت جنرل سکریٹری ایک طویل عرصے تک رفیق سفر رہے۔ پاکستان کے وفاقی مذہبی وزیر بھی رہے۔ اپنے زمانۂ طالب علمی میں ایم ایس ایف (مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن) مسلم لیگ کی ذیلی طلبہ تنظیم کے بہت ہی متحرک کارکن بھی رہے۔ دینی و سیاسی بصیرت میں آپ کا نقطۂ نظر بہت بے باکانہ اور تقاضائے عصر کی معنویت کو لیے ہوئے رہتا تھا۔ مجھے ان کی متعدد مقامات پر مختلف کانفرنس، سیمینار اور اجتماعات میں متعدد بار ان کے کلمات وخطابات کے سننے کا شرف حاصل رہا۔ ان کی کئی تحریریں بھی میری نظروں سے گزری ہیں۔ ان کے زبان ودل، کردار وافکار میں بڑی یکسانیت تھی۔ وہ بہت سوچ سمجھ کر سیاست اور دینی معاملات میں وہ اپنی خداداد بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے بہت سوچ سمجھ کر فیصلے لیتے اور ایک بار جو فیصلے لیتے اس پر تاحیات قائم ودائم رہتے۔ ان کے کردار اور فیصلے میں کوئی لچک نہیں ہوتی تھی۔ قادیانیت کے خلاف "تحریک تحفظ ختم نبوت" میں علمائے اہل سنت کے ساتھ آپ نے بہت ہی مجاہدانہ کردار ادا کیا تھا۔ اس پر پاکستان کے تمام اخبارات اور رسائل وجرائد شاہد ہیں۔ "تحریک تحفظ ختم نبوت" میں مردانہ وار حصہ لینے کی پاداش میں پاکستانی حکومت کی جانب سے آپ کے لیے پھانسی کی سزا بھی سنائی گئی تھی۔ مگر بعد میں حکومت کو یہ فیصلہ واپس لینا پڑا۔

خصوصی موضوع

مجاہد ملت بہت ہی حساس دل انسان تھے، وہ نظامِ مصطفیٰ کے تحفظ کے لیے مسلمانوں کے درمیان اسلام دشمن عناصر کی سازش سے پیدا شدہ تفرقہ بازی کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس لیے وہ اتحادِ ملت کے لیے بھی ہمیشہ دل سے کوشاں رہتے، اتحادِ ملت کے حوالے سے ان کی ایک مبسوط کتاب اصول وضوابط کے تعلق سے پاکستان میں شائع ہو چکی ہے۔ زیر نظر تحریر اسی کتاب سے ماخوذ ہے۔ آج کا یہ بحرانی دور نہ صرف برصغیر بلکہ تمام عالم اسلام کے لیے مسئلہ روح فرسا بنا ہوا ہے۔ آج کے پس منظر میں عالمی سطح پر اتحاد واتفاق کی ضرورت مزید سخت ہوگئی ہے۔ ہم اتحادِ ملت کے اس عصری تقاضے کے پس منظر میں ایک بار پھر ان تمام حضرات کے دلوں پر پرخلوص دستک دیتے ہوئے اس تحریر کے ذریعہ اتحاد واتفاق کی دعوت دیتے ہیں۔

ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں میں کیا رکھا ہے (نوشاد عالم چشتی علیگ)

اتحادِ ملتِ اسلامیہ: عصر حاضر کی ایک اہم ضرورت

مجاھد ملت علامہ عبدالستار خاں نیازی☆

اتحاد ملّت کے لیے چار نکاتی فارمولہ:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر (اقبال)

میں نے اتحادِ ملت کے کئی رُوح پرور نظارے دیکھے ہیں۔ تحریکِ پاکستان، تحریکِ ختم نبوت اور تحریکِ نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں امتِ محمدیہ نے جس ربط وضبط اور ایثار وقربانی کا ثبوت دیا وہ ہماری تاریخ کا ایک درخشندہ باب ہے۔ مگر افسوس ہے کہ جونہی متحدہ مقصد نگاہوں سے اوجھل ہوا، مسلمان باہم آویزی میں اُلجھ کر مکابرہ ومناظرہ کی دلدل میں پھنس کر رہ گئے۔ آج جب ہر طرف سے امتِ مسلمہ اعدا ومعاندینِ اسلام کے نرغے میں ہے اور نوے کروڑ ہوتے ہوئے بھی بے اثر ہے تو ملت کے دردمند طبقات نے اتحاد کی دعوت دینی شروع کر دی۔ یہ دعوتِ اتحاد بفحوائے آیتِ قرآنی وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ امت کا اجتماعی فریضہ ہے۔ حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؔ نے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا ہے:

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

لیکن دو اور دو چار کر کے کوئی متفقہ فارمولہ پیش نہیں ہوا ہے۔ تحریکِ پاکستان، تحریکِ ختم نبوت اور تحریکِ نظامِ مصطفیٰ میں چونکہ مقاصد متعین تھے اس لیے اپنے نظری و سیاسی اختلافات بجائے خود رکھتے ہوئے وہ معین مقاصد کے لیے جمع ہوگئے۔ اب سوچنا یہ ہے کہ موجودہ پرآشوب دور میں

☆ سابق وفاقی مذہبی وزیر حکومت پاکستان، سابق مرکزی جنرل سکریٹری جمعیۃ علمائے پاکستان

امتِ مسلمہ کے لیے وحدتِ فکر و عمل کا کیا راستہ اختیار کیا جائے جو دائمی ہو۔ پہلے جو خطرات تھے اُن کا نقصان صرف ملت کے بعض مخصوص مفادات تک منتہی تھا، لیکن اب پوری ملت کا وجود ہی خطرے میں ہے۔ سرخ سامراج ہو یا سفید سامراج ہر دَور کے درمیان انسان بمصداق ''درمیانِ ایں دوسنگ آدم زجاج'' چکی کے دو پاٹوں میں پس رہا ہے۔ استعمار پرست طاقتوں اور اُن کے پروردہ خانہ زاد گماشتوں نے طے کرلیا ہے کہ امتِ مسلمہ کو اعتقادی اور فکری اعتبار سے تباہ کرتے ہوئے اس کا وجود ہی ختم کردیا جائے۔ اسلامی سلطنتوں میں غیر مسلم یا بے ضمیر مسلم سربراہ مسلط کرنے کی جو سازش تیار ہوچکی ہے اس کی موجودگی میں ہمارا فرض ہے کہ ایک لمحہ ضائع کیے بغیر فی الفور اتحادِ اسلامی کا نقشہ مرتب کرلیں۔

اتحاد ملّت کے چار نکات:

نکتہ نمبر۱: پاکستان کی تمام جماعتیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے افکار و نظریات پر اصولاً متفق ہیں، لہٰذا ہم اپنے تمام متنازعہ فیہ امور کو اُن کے عقائد و نظریات کی روشنی میں حل کریں۔

لطف کی بات یہ ہے کہ ان اکابر سے لے کر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ تک ہمارا مرکزِ اطاعت ایک ہے۔ بریلوی اور دیوبندی امام اعظم ابوحنیفہ کے غیر مشروط مقلد ہیں اور دوسرے ائمہ عظام کا پورا احترام و اکرام کرتے ہیں۔ حنفی و اہل حدیث قرآن و حدیث و اصحابِ رسول کے پیروکار ہیں اور کوئی مسئلہ ایسا نہیں جس کا حل کتاب و سنت اور سلف صالحین کی اتباع سے حاصل نہ ہوسکے اور اہل تشیع کتاب و سنت کی آئینی، قانونی اور ایمانی سیادت و قیادت سے انحراف نہیں کرسکتے۔

برصغیر میں مسلمانوں کے اندر تشتت و افتراق کا خوفناک پروگرام انگریزوں نے شروع کیا۔ پہلے اپنے ایجنٹوں کے ذریعے حکومتِ انگلشیہ کی تائید حاصل کی۔ پھر ۱۸۶۹ء میں جہاد کا عقیدہ ختم کرنے کے لیے ایک خاص کمیشن بٹھایا، جس نے رپورٹ پیش کی کہ ایک خود کاشتہ نبی کی وحی و الہام سے اس عقیدہ کے خلاف فتویٰ لیا جائے اور بعد میں ہمنوا کالے پادری (مسلمان مولوی) پیدا کیے جائیں۔ بہرحال مرزا غلام قادیانی اسی سازش کی پیداوار ہے۔ بعدازاں انگریز نے جب دیکھا کہ چند بندگانِ حرص و آز اور کاسہ لیسانِ فرنگ کے علاوہ امتِ محمدیہ کی اکثریت نے نئے فتویٰ کو مسترد کردیا ہے تو انگریز نے محکمۂ تعلیم کے بعض مولویوں کی خدمات حاصل کیں جنھوں نے عظمت و احترامِ رسالت کے خلاف ہرزہ سرائی کی اور

بقول حضرت علامہ اقبال:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
رُوحِ محمد اس کے بدن سے نکال دو

'روحِ محمد' یعنی جذبۂ عشق و اطاعتِ رسول کو ختم کرنے کا پیغام ابلیس نے اپنے سیاسی فرزندوں کے نام دیا۔ بہرحال تاریخی اعتبار سے ملت کے اندر یہ داخلی فتنہ و خلفشار انگریز کی آمد سے شروع ہوگیا تھا۔ جب اس فتنہ کے آلۂ کار کالے پادری مرکھپ گئے تو ان کے جانشینوں نے انگریز کے سازشی پروگرام کو جاری رکھا اور ابھی تک امتِ محمدیہ ان صدمات سے نجات حاصل نہیں کرسکی۔ تاہم انگریز کی آمد سے قبل مسلمانوں کا تعارف اور اجماع جس ایک نام سے تھا وہ اہلِ سنت و جماعت ہے۔ تمام فرقہ وارانہ ناموں کو چھوڑ کر صرف اہلِ سنت و جماعت کہلائیں۔ کیونکہ یہ نام بموجب ارشاد نبوت: فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَ سُنَّةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْن المُهدِيين (تم پر میری سنت کی اتباع فرض ہے اور میرے خلفائے راشدین، جو ہدایت یافتہ ہیں، کی اتباع کرو) اور علیکم بالجماعة فانه من شذَّ شذ في النار (تم پر جماعت کی پابندی فرض ہے جو جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا یعنی خائب و خاسر ہوکر برباد ہوا) خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھ دیا ہے۔

نکتہ نمبر۲: حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی چشتی صابری کی عظمت اور مرتبے کو سب لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ تمام اکابر علمائے دیوبند بالواسطہ یا بلاواسطہ حضرت حاجی صاحب کے حلقۂ ارادات میں شامل ہیں۔ برصغیر یا عالم اسلام میں جس قدر اختلافی مسائل پائے جاتے ہیں سب کا جامع و مانع حل انھوں نے پیش کردیا ہے۔ اگر تمام مکاتبِ فکر کے علما اور متبعین حاجی صاحب کی تصنیف 'فیصلہ ہفت مسئلہ' کو حکم مان لیں تو فرقہ وارانہ اختلافات چشم زدن میں ختم ہوسکتے ہیں۔

نکتہ نمبر۳: علمائے دیوبند مولانا محمود حسن اسیرِ مالٹا، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری، مولانا حافظ محمد احمد مہتمم دارالعلوم دیوبند ابن مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا عزیز الرحمٰن مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کی مصدقہ کتاب 'المہنّد علی المفنّد' مصنفہ مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کی جو اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی تصنیفات 'حسام الحرمین' اور 'الدولۃ المکیہ' کے جواب میں شائع ہوئی، جس میں انھوں نے اپنے عقائد و نظریات کی وضاحت کی ہے، ایک نہایت ہی مفید کتاب ہے۔ اس پس منظر میں علمائے دیوبند 'المہنّد' میں درج شدہ فیصلوں کو اختلافی مسائل میں نافذ العمل کرلیں تو تمام متنازعہ فیہ عقائد و

نظریات کا نہایت ہی معقول و مدلل جواب مل سکتا ہے۔ اپنے اس عقائد نامہ کو حکم ماننے کے بعد دوسرا اقدام یہ کریں کہ پبلک پلیٹ فارم سے اپنے مخالفین کے خلاف طعن و تشنیع سے مکمل اجتناب کریں۔

نکتہ نمبر۴: انگریزی محاورہ ہے "Live and let other live" (زندہ رہو اور زندہ رہنے دو) اگر کوئی مسلمان سیدالانبیا صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھتا ہے تو اُسے پڑھنے دیں اور جو خاموشی سے بیٹھ کر درود شریف پڑھے تو اسے مجبور نہ کیا جائے کہ وہ کھڑے ہو کر بلند آواز سے ضرور پڑھے۔ تمام مسلمان نماز میں ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ'' پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجتے ہیں تو نماز کے بعد میں اس پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے۔

مسجدوں، خانقاہوں اور اوقاف کے جھگڑے بھی اسی جذبے سے طے ہوسکتے ہیں کہ مسجدوں میں کسی کو نماز پڑھنے سے منع نہ کیا جائے۔ جن لوگوں نے مسجد تعمیر کی ہو انہی کے مسلک کی انتظامیہ ہو۔ اگر اس طرح سب فرقے مل کر مرکزی نکتہ عظمت و وقار کو سامنے رکھیں تو پھر اختلاف باقی نہیں رہتا۔

اغیار نے جب بھی کسی اسلامی ملک کو تباہ و برباد کیا تو مذہبی اختلاف پیدا کر کے مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑا دیا۔ فرقہ واریت نے اسلامی وحدت و استحکام کو زبردست نقصان پہنچایا ہے۔ کیا پاکستان کو اب جن مسائل و مشکلات کا سامنا ہے اس کا احساس تمام فرقوں کے رہنماؤں کو نہیں ہے؟ اگر کوئی غیبی ہاتھ انھیں باہم متحد کرنے میں حائل ہے تو پیشتر اس کے کہ خدانخواستہ اندلس، لبنان، تاشقند، سمرقند، بخارا، بغداد، دہلی اور افغانستان جیسے حالات پیدا ہوں۔ ہمارے مراکزِ دینی، مساجد، درس گاہیں و مزارات اغیار کے ہاتھوں خاکستر ہو جائیں، ہماری بہو بیٹیوں، ماؤں بہنوں اور بیویوں کی عزتیں ظالمین و جابرین شہروں، قصبوں میں نیلام کرتے پھریں۔ ہمیں دل کی گہرائیوں سے فکری و ذہنی اتحاد قائم کر کے اغیار کے منصوبوں کو ناکام بنا دینا چاہیے۔ برطانیہ جیسا چھوٹا ملک ایک دور میں تمام متمدن دُنیا پر بالادستی حاصل کرسکتا ہے تو پاکستانی مسلمان منظم و متحد ہو کر کفر کی طاقتوں سے نبرد آزما کیوں نہیں ہوسکتے؟ اور اتحادِ اسلامی کو زندہ حقیقت بنا کر سرخ اور سفید سامراجوں اور ان کے گماشتوں کو کیوں شکست نہیں دے سکتے۔ اس فارمولے کے بعد نوّے کروڑ مسلمان ایک ناقابلِ تسخیر قوت بن سکتے ہیں اور باہمی تکفیر و تفسیق کا سلسلہ جس نے اُمت کے ٹکڑے کر دیے ہیں، یکسر ختم ہوسکتا ہے۔

مجھے یقینِ کامل ہے کہ اگر اس چار نکاتی فارمولے کو شرحِ صدر کے ساتھ قبول کر لیا جائے تو مسلمان ایک زبردست طاقت بن کر سارے عالمِ اسلام کے لیے وحدت کی مثال قائم کر سکتے ہیں:

ہر اِک منتظر تیری یلغار کا
تیری شوخیِ فکر و کردار کا

اگر کسی کتاب میں ناقابلِ اعتراض عبارت نظر آئے تو اس کی مراد معین کرنے کا حق مصنف کو ہو اور اگر وہ عبارت عام لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالتی ہو تو اس کی ایسی وضاحت کر دی جائے کہ غلط فہمی کا احتمال نہ رہے۔ اس پر بھی فریقین میں اتفاق نہ ہو تو علما کے متفقہ بورڈ سے فیصلہ کرا لیا جائے۔ اگر متفقہ بورڈ کی تشکیل نہ ہوسکے تو شرعی عدالت میں پیش کر کے فیصلہ کرایا جائے لیکن جہاں مقام مصطفیٰ، عصمتِ انبیا اور تقدیسِ باری تعالیٰ کے سلسلے میں اگر کسی کتاب میں قابلِ اعتراض عبارت نظر آئے تو اس کے ظاہری اور متبادر معنی لیے جائیں گے اور کسی قسم کی تاویل کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس مسئلہ پر تمام مکاتبِ فکر حتیٰ کہ علمائے دیوبند کا بھی اتفاق ہے۔ بہرحال پلیٹ فارم پر بحث و مناظرہ کا بازار گرم نہ کیا جائے اور تکفیر و تفسیق اور طعن و تشنیع سے کلی احتراز کیا جائے۔

محمد عبدالستار خاں نیازی (مورخہ ۲ر دسمبر ۱۹۸۲ء)

الموافقات

علمائے دیوبند اور علمائے اہل سنت و جماعت کی فکری و اعتقادی موافقت:

مورخہ ۲۳ر اگست ۱۹۸۴ء کو میں نے لکھا تھا کہ دوسرے فرقوں کے مذکورہ بالا عقائد کی تردید میں خود اُن کے مستند اور جید علما کی تصریحات موجود ہیں، آیات و احادیث کے علاوہ المہند، فیصلہ ہفت مسئلہ، قصائد قاسمی، امداد السلوک اور نالۂ امداد غریب وغیرہ تصانیف علمائے دیوبند میں تمام قابلِ اعتراض عقائد کا جواب ہے۔

داعیانِ اتحاد کا فرض تھا کہ وہ اخلاقی عقائد و نظریات کو بیان کر کے موافقت و مطابقت کی راہ نکالتے اور آئندہ نسلوں پر واضح کر دیتے کہ اختلاف کے مقابلے میں موافقت اور مطابقت کے دلائل زیادہ قوی ہیں بلکہ بعد کی تصانیف پہلے تمام نظریات کو ایک لحاظ سے منسوخ کر رہی ہیں۔ تضادات سامنے آنے کے بعد کتاب و سنت کی فیصلہ کن رائے ساری امت کو پھر ایک مرکز پر جمع کر سکتی ہے۔

آج تک متنازعہ فیہ عبارات کی تاویلات اور توجیہات پر زور دیا جا رہا

ہے حالانکہ مقامِ مصطفیٰ، عصمتِ انبیا اور تقدیس باری تعالیٰ کے بارے میں اگر کسی کتاب میں قابلِ اعتراض عبارات نظر آئے تو اس کے ظاہری اور متبادر معنی لیے جائیں گے اور کسی قسم کی تاویل کی اجازت نہیں ہوگی۔ الفاظ بدلنے پڑیں گے۔ اُسی طرح جیسے اللہ رب العالمین نے قرآن پاک میں 'رَاعِنَا' کے بجائے 'اُنْظُرْنَا' کا لفظ رکھ دیا اور کسی قسم کی تاویل یا توجیہ کا راستہ کھلا نہیں رکھا۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جس پر تمام مکاتبِ فکر بشمول علمائے دیوبند سب کا اتفاق ہے۔ مقصد یہ ہے کہ پلیٹ فارم پر بحث ومناظرہ کا بازار گرم نہ کیا جائے اور تکفیر وتفسیق اور طعن وتشنیع سے کلی احتراز کیا جائے۔

(۱) وہابیہ نجدیہ کے مسلّمہ مقتدا ابنِ تیمیہ (م ۷۲۸ھ) اپنی مشہور کتاب 'الصارم المسلول علی شاتم الرسول' کے ص ۴۰ و ۴۱ پر لکھتے ہیں:

(الف) "من اٰذی الرسول فقد اٰذی اللّٰہ ومَن اطاع الرسول فقد اطاع اللّٰہ......الخ. وقد اقامہ اللّٰہ مقام نفسہ فی امرہٖ و نہیہٖ و اخبارہٖ و بیانہٖ فلایجوزان یفرق بین اللّٰہ و رسولہٖ فی شیئ من ھذہ الامور."

(ب) من اٰذی الرسول فقد اٰذی اللّٰہ. احدھا انہ قرن ایذاء ہ بایذائہٖ کما قرن طاعتہ بطاعتہٖ. فمن اذاہ فقد اذی اللّٰہ تعالی. وَ قَدْ جاء ذالک منصوصاً عنہ. ومن اذی اللّٰہ فھو کافرٌ حلال الدَّمِ. یبین ذالک ان اللّٰہ تعالیٰ جعل محبۃ اللّٰہ و رسولہ و طاعۃ اللّٰہ ورسولہٖ شیئاً واحداً. فقال تعالی (۱) قُلْ اِنْ کَانَ آبَائُکُمْ وَ اَبْنَاؤُکُمْ...... الخ (۲) وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُو الرَّسُوْلَ وفی مواضع متعددۃ (۳) وَقال اللّٰہ تعالیٰ: وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ......الخ.

ترجمہ: (الف) اللہ کی حرمت اور رسول کی حرمت ایک ہی چیز ہے، پس جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دی اُس نے اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے اطاعت کی رسول کی پس تحقیق اُس نے اطاعت کی اللہ کی کیونکہ امت محمدیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت کے بغیر خدا تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس کے بغیر اُن کے پاس کوئی طریقہ اور ذریعہ نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مقام پر (یعنی نیابتِ الٰہی کے مقام پر) لا کھڑا کیا ہے۔ اوامر ونواہی کا نفاذ حضور کے ذریعے ہوگا۔ آپ اخبارِ غیب بیان کریں گے اور اُن اخبار کی تفسیر اور توضیح بھی آپ ہی کے ذریعے ہوگی۔ پس اس امر کی اجازت نہیں ہے، ان تمام امور میں کسی شے کے اندر اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان فرق پیدا کیا جائے۔

ترجمہ (ب) جس نے تکلیف دی رسول اللہ کو اُس نے تکلیف دی یعنی ایذا پہنچائی اللہ کو۔ ان میں پہلی بات یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے اپنی ایذا کو رسول اللہ کی ایذا کے ساتھ اُسی طرح ملا دیا ہے جس طرح اپنی اطاعت کو رسول اللہ کی اطاعت کے ساتھ ملایا ہے۔ پس جس نے ایذا پہنچائی حضور کو تحقیق اُس نے ایذا پہنچائی اللہ کو اور اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے نصِ صریح میں بیان فرما دیا ہے اور جو ایذا پہنچائے اللہ اور اللہ کے رسول کو تو وہ کافر ہے اور اُس کا خون معاف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو واضح فرماتا ہے کہ اُس نے اپنی اور اپنے رسول کی محبت، اپنی رضا اور اپنے رسول کی رضا، اپنی اطاعت اور اپنے رسول کی اطاعت کو واحد چیز قرار دیا ہے اور اُس کی تائید میں قرآن پاک کی متعدد آیات موجود ہیں۔ مثلاً (۱) آپ فرما دیں کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی اور تمھاری عورتیں، تمھارا کنبہ اور تمھاری کمائی کا مال، وہ سودا جس کے نقصان کا تمھیں ڈر ہے اور تمھارے پسند کے مکانات، یہ سب چیزیں اللہ اور اس کے رسول اور اُس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس بارے میں اپنا حکم صادر فرما دے۔ یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ (۹/۲۴)

(۲) اطاعت کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی۔ (۲۴/۵۴)

(۳) اللہ ورسول کا حق زائد تھا کہ اسے راضی کرتے۔ (۹/۶۲)

علیٰ ہٰذا القیاس بیعت، انفال، شقاق، محادّت، ایذا، معصیت اور عصیان اللہ کے خلاف یا رسول کے خلاف دونوں کا ایک ہی مدعا اور مقصد ہے۔

(۲) حافظ ابن قیم (شاگرد رشید ابنِ تیمیہ) نے اپنی مشہور تصنیف 'الفوائد' کے ص ۱۵۳ پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبہ کو واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

"جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقامِ احتیاج کو اللہ کی نسبت مکمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو دنیا اور آخرت میں حضور کا محتاج بنا دیا۔ دُنیا میں کھانے پینے اور اپنی جان کی حاجت سے بھی حضور کی انھیں زیادہ حاجت ہے، اور آخرت میں اس طرح کہ وہ دوسرے پیغمبروں اور رسولوں سے شفاعت طلب کریں گے۔ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی انھیں مشکل سے نجات دلائیں گے اور باقی انبیا شفاعت میں حضور سے پیچھے ہوں گے اور حضور سب کے شفیع ہوں گے اور حضور ہی ان کے لیے جنت کا دروازہ کھلوائیں گے۔

(۳) امام سخاوی (م۹۰۲ھ) ’القول البدیع‘ میں اور امام ابن قیم (م۷۵۱ھ) ’جلاء الافہام‘ میں مختلف سندوں اور حوالوں سے مندرجہ ذیل واقعہ لکھتے ہیں کہ:

’’امام ابوبکر محمد بن عمر کہتے ہیں کہ میں امام ابوبکر بن مجاہد کے پاس تھا۔ اتنے میں حضرت شبلی علیہ الرحمہ تشریف لائے۔ (یہ شبلی حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے پیرانِ عظام میں سے ہیں) تو امام ابوبکر بن مجاہد نے حضرت شبلی سے معانقہ کیا (یعنی انھیں گلے لگایا) اور اُن کی پیشانی چومی۔ میں (ابوبکر محمد بن عمر) نے ان سے عرض کی: یا سیدی! آپ شبلی کا اس قدر احترام اور ان سے اس قدر محبت فرماتے ہیں حالانکہ آپ اور اہلِ بغداد انھیں دیوانہ قرار دیتے ہیں۔ تو حضرت امام ابوبکر بن مجاہد نے فرمایا کہ میں نے شبلی کے اُسی طرح (احترام کا) کا برتاؤ کیا ہے جس طرح میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برتاؤ کرتے دیکھا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا۔ حضرت شبلی حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے لیے کھڑے ہوگئے اور اس کی پیشانی چومی تو میں نے عرض کی: یارسول اللہ! آپ نے شبلی سے اس قدر نوازش فرمائی۔ آپ نے فرمایا: اس کی مجھے یہ بات پسند آئی ہے کہ یہ نماز کے بعد **لَقَدْ جَاءَ کُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ** سورۃ کے آخر تک پڑھتے ہیں اور اس کے بعد تین مرتبہ کہتے ہیں **صلّی اللّٰہ علیکَ یا محمد، صلّی اللّٰہ علیک یا محمد، صلّی اللّٰہ علیک یا محمد**۔ بعد میں حضرت شبلی سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے اس کی تصدیق فرمائی۔‘‘ (القول البدیع، ص۱۷۳، جلاء الافہام، ص۲۹۷، تبلیغی نصاب، ص۷۸۹)

(۴) اہل حدیث اور غیر مقلدین کے مسلمہ عالم شمس العلما سید نذیر حسین صاحب دہلوی (م۱۹۰۲ء) نے فتاویٰ نذیریہ کے ص۴۴۲ سے ۴۴۴ تک تفصیل کے ساتھ ایصالِ ثواب کی تائید کی ہے۔ بخوفِ طوالت کلام صفحہ ۴۴۵ پر اُن کے فتویٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ: ’’میّت کے واسطے فقرا (فقیروں، مسکینوں) کو کھانا کھلانا میّت کی طرف سے صدقہ کرنا ہے۔ لہٰذا اس کا ثواب بھی میّت کو پہنچے گا۔‘‘

(۵) علمائے دیوبند کے پیرومرشد حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی چشتی صابری رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۳۳ھ/۱۳۱۷ھ) فرماتے ہیں کہ: ’’مشربِ فقیر کا اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیرومرشد کی رُوح مبارک کو ایصالِ ثواب کرتا ہوں، اوّل قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہوئی تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر ماحضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اُس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔‘‘ (فیصلہ ہفت مسئلہ، ص۷)

(٦) مولانا رشید احمد گنگوہی سید الطائفہ علمائے دیوبند (م۱۹۰۵ء) اپنے فتاویٰ کے ص۱۰۲ پر لکھتے ہیں کہ: ’’بلا تعینِ یوم کھانا تقسیم کرنا یا دینا بطور صدقہ کے جائز ہے کیونکہ صدقہ کرنا طعام کا کسی کے نزدیک (بھی) ناجائز نہیں۔ **قال فی الھدایۃ: الاصل فی ھذا الباب ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہٖ لغیرہٖ صلوٰۃً او صوماً اور صدقۃً او غیرھا.** یعنی ہدایہ میں کہا ہے کہ اس بارے میں اصل بات یہ ہے کہ انسان کو حق ہے کہ اپنی نیکی کا ثواب جس کو چاہے دے دے۔ نماز، روزہ، صدقہ اور دوسری نیکیاں۔

(۷) احادیثِ نبوی کے مترجم غیر مقلدوں کے امام مولوی وحیدالزماں صاحب (۱۸۲۰ء/۱۹۲۰ء) اپنی کتاب ’ہدیۃ المھدی‘ ص۵۹ پر فرماتے ہیں کہ: ’’ہمارے بزرگ امام ابن حافظ ابن قیم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو قرآن میں فرمایا ہے **اِنَّکَ لَاتُسْمِعُ الْمَوْتٰی**، اے حبیب! آپ مُردوں کو نہیں سناتے اور **وَمَااَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِی الْقُبُوْر**، اس کا مطلب قرآن پاک کی عبارت اور مضمون سے یہ ہے کہ کافروں کے دل مردہ ہیں۔ آپ ان کو اس طرح نہیں سنا سکتے کہ وہ اس پر عمل کرنے لگیں اور اللہ تعالیٰ کا ان دونوں آیتوں میں یہ منشا نہیں ہے کہ مردے کچھ نہیں سنتے اور بھلا یہ منشائے خداوندی کس طرح ہوسکتا ہے جب اُس کے محبوب سید الانبیا نے خود فرمادیا کہ مردے اپنے پاس سے گزرنے والوں کی جوتیوں کی آواز بھی سنتے ہیں اور امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جاننا پہچاننا جیسے چیزوں کا علم، لوگوں کی آوازیں اور کلام کو سننا تو یہ تمام شہیدوں اور مُردوں کے لیے ثابت ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے۔‘‘ اور مولوی وحیدالزماں صاحب لکھتے ہیں کہ: ’’یقیناً نبی کریم نے حکم فرمایا اپنے امت (مسلمانوں) کو کہ جب قبروں کی طرف گزریں تو قبروں والے (مُردوں) کو سلام کریں۔ اور یہ سلام کرنا جب ہی صحیح ہوسکتا ہے جب کہ مُردے سنتے ہیں۔ ورنہ یہ کہنا بالکل بے کار ہوجاتا ہے۔‘‘ اور پھر لکھتے ہیں: **والسلف یجمعون علی ھذا** یعنی امت کے تمام پہلے بزرگوں کا عقیدہ ہے کہ مردے سنتے ہیں اور مولوی وحیدالزماں صاحب ’ہدیۃ المھدی‘ (عربی) کے ص۶۰ پر یوں لکھتے ہیں کہ: ’’**قال شیخنا ابن تیمیۃ قد یتکلم المیّت و یسمع ایضاً من کلامہ والاحادیث والآثار تدل علی ان الزائر متیٰ جاء علم بہ المزور و سمع کلامہ و آنس بہ و ردّ سلامہ علیہ و ھٰذا عام فی حق الشھداء وغیرھم و انہ لاتوقیت فی ذلک و قد شرع النبی لامتہ ان یسلّموا علی اھل القبور سلام من یخاطبونہ ممن یسمع و یعقل.**‘‘ (ترجمہ بیان ہوچکا)

(۸) (الف) امام الوہابیہ مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی (۱۱۹۳ھ-۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء) اپنے پیرومرشد سید احمد بریلوی کو نسبتِ چشتیہ حاصل ہونے کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ''ایک دن آپ (سید احمد بریلوی) حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب بختیار کاکی قدس اللہ سرہ العزیز کی مرقدِ منور کی طرف تشریف لے گئے اور اُن کی مرقد مبارک پر مراقب ہوکر بیٹھ گئے۔ اس اثنا میں اُن کی رُوح پرفتوح سے آپ کو ملاقات حاصل ہوئی اور آنجناب یعنی حضرت قطب الاقطاب نے آپ پر نہایت قوی توجہ کی کہ اس توجہ کے سبب سے ابتدائے حصولِ نسبت چشتیہ کا ثابت ہوگیا۔ (صراطِ مستقیم ترجمہ فارسی مطبوعہ اسلامی اکادمی، ص ۳۱۸)

(ب) ''ان مراتب عالیہ اور مناصبِ رفیعہ کے صاحبان ''عالمِ مثال'' اور ''عالمِ شہادت'' میں تصرف کرنے کے مطلق ماذون ومجاز ہوتے ہیں اور ان بزرگواروں کو حق پہنچتا ہے کہ تمام کلیات کو (کی) اپنی طرف نسبت کریں۔ مثلاً اُن کو جائز ہے کہ کہیں عرش سے فرش تک ہمارے مولیٰ کی سلطنت ہے اور سب چیزوں کی طرف ہماری نسبت متساوی ہے۔'' (ایضاً ص ۱۹۹-۲۰۰)

(ج) ''پس جو عبادت کہ مسلمان سے ادا ہو، اُس کا ثواب کسی فوت شدہ کی رُوح کو پہنچائے اور جنابِ الٰہی میں دُعا کرنا، اس کے پہنچانے کا طریقہ ہے۔ یہ بہت بہتر اور مستحسن طریقہ ہے اور وہ شخص کہ جس کی روح کو ثواب پہنچا رہا ہے اگر اُس کے حق داروں میں سے ہے (تو) اُس کے حق کے برابر اس ثواب پہنچانے کی خوبی بہت زیادہ ہوگی۔ پس امورِ مروّجہ یعنی اموات کے فاتحوں اور عرسوں اور نذر و نیاز سے اس قدر امر کی خوبی میں کچھ شک وشبہ نہیں۔'' (ایضاً، ص ۱۱۰)

(د) ''اگر اب کوئی شخص پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے واسطے شب برأت کو صلحا کا مجمع کرکے کسی مقبرہ میں بہت ساری دُعائیں کرے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ('متابعت' ہونا چاہیے) کے باعث اسے ملامت نہیں کرسکتے۔'' (ایضاً، ص ۱۰۹)

اس ضمن میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۴۳ھ-۱۲۲۵ھ) کے ارشاد بھی درج کیے جاتے ہیں:

(الف) ''حضرت خلال نے حضرت شعبی کی زبانی روایت کی ہے کہ زمانۂ دراز سے انصارِ مدینہ کا یہ دستور چلا آرہا ہے کہ مرنے والے کی قبر پر جاتے ہیں اور قرآن خوانی کرتے ہیں۔'' (تذکرۃ الموتی والقبور، مصنفہ قاضی صاحب، ص ۹۷)

(ب) ''صدقۂ نافلہ بوالدین و اقربین و یتامیٰ و مساکین و ہمسایہ و سائلین وغیرہ بدہد۔'' (مالابدمنہ۔ فارسی مطبوعہ ملتان، مصنفہ قاضی صاحب، ص ۷۹)

(ج) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ: ''میرے والد بزرگوار (شاہ عبدالرحیم صاحب، م ۱۱۳۱ھ) نے مجھے خبر دی۔ فرمایا کہ میں میلاد النبی کے روز کھانا پکوایا کرتا تھا میلادِ پاک کی خوشی میں۔ ایک سال میں اتنا تنگدست تھا کہ میرے پاس کچھ نہ تھا مگر چنے بھنے ہوئے، وہی میں نے لوگوں کو تقسیم کیے تو کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو وہ بھنے ہوئے چنے رکھے ہوئے ہیں اور آپ بہت شاد و بشاش ہیں۔'' (دُرّالثمین فی مبشرات النبی الامین، مطبوعہ فیصل آباد، ۱۹۷۰ء، ص ۴۰)

المختصر موافقات اور مطابقات کے سلسلے میں اس قدر مستند مواد موجود ہے کہ اگر سب کا تذکرہ کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جاتی ہے۔ ہم صرف اس قدر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت (نور جوہر اور بشریت عرض) تصرفات، شفاعت، توسل، حیات، ندا، تعظیم و توقیر، آداب، تصورِ علم غیب، حاضر و ناظر اور اس قسم کے دوسرے معتقدات کی بابت تمام فرقوں کے علما و اکابر نے بہت کچھ لکھا ہے حتیٰ کہ اہلِ تشیع کی مستند اور معتمد علیہ کتب نہج البلاغہ، تاریخ الخلفاء، ریاض النظر، کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ، تفسیر قمی اور اصولِ کافی میں اس قدر حوالہ جات موجود ہیں کہ اگر تمام فرقے خلافیات کو چھوڑ کر موافقات پر جمع ہوجائیں تو مسلمان نہ صرف ایک زبردست طاقت بن سکتے ہیں بلکہ عالمِ اسلام کی قیادت کرسکتے ہیں۔

مختلف فرقوں کی تصنیفات سے قطع نظر اگر صرف کتاب وسنت پر سب کو دعوتِ اتحاد دی جائے تو تمام تنازعات نہ صرف دب جائیں گے بلکہ رفتہ رفتہ ختم ہوجائیں گے۔ آج کل توحید کے نام پر حکومتِ سعودیہ نے جو شدت اختیار کررکھی ہے اُس میں بھی اعتدال پیدا ہوسکتا ہے کیونکہ توحید و رسالت کا تعلق ظاہر و باطن کا ہے، جو توحید عظمت و احترامِ رسالت سے خالی ہے وہ ابلیسی توحید ہے اور جو عظمت و احترامِ رسالت سے مزین ہے وہ جبریلی توحید ہے۔ شاید یہ ہی تصور تھا جس کو سامنے رکھ کر حکیم الامت (علامہ اقبال) رحمۃ اللہ علیہ کو اعلان کرنا پڑا:

لا الٰہ تیغ و دمِ او عبدہٗ — فاش تر خواہی بگو ہو عبدہٗ

بہرحال ہم اپنے 'چار نکاتی فارمولا' کا ایک بار اعادہ کرتے ہوئے جہاں متفق علیہ مذہبی شخصیات (شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی، ۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۱۱۱۴ھ-۱۱۷۶ھ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۱۱۵۹ھ-۱۲۳۹ھ) کی رہبری و رہنمائی کے بعد علمائے دیوبند کے پیرومرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے 'فیصلہ ہفت مسئلہ' کو بطور 'قولِ فیصل'

پیش کرتے ہیں، وہاں علمائے دیوبند کے عقائد پر مشتمل رسالہ 'المہنّد علی المفنّد' کا تذکرہ بھی ضروری سمجھتے ہیں۔ ان عقائد کا خصوصی تذکرہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ ہمارے مضمون کی دوسری قسط (نوائے وقت، مورخہ ۲۸راگست ۱۹۸۴ء) میں جن عقائد کو درج کیا گیا ہے، اُس سے کچھ حلقوں میں غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں اور اکثر لوگ اُنھیں پڑھ کر مبہوت رہ گئے۔ خود ان فرقوں کے پابند لوگوں نے بھی معذرت خواہانہ انداز اختیار کرلیا۔ حاشا وکلا! اس بیان سے کسی گروہ کی تحقیر وتنقیص مقصود نہ تھی۔ ہم صرف یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ اختلافات فروعی نہیں، اصولی ہیں۔ المہنّد کی اشاعت کے بعد تمام غلط فہمیاں دور ہوجاتی ہیں اور موافقت کی راہ کھل جاتی ہے۔ بنابریں اختلافی مسائل کی بابت عقائد علمائے دیوبند مشمولہ 'المہنّد علی المفنّد' کا اور اکابر علمائے دیوبند کی دیگر تصانیف میں سے متعلقہ امور کا تذکرہ مناسب اور ضروری معلوم ہوتا ہے۔

(۱) جو شخص نبی علیہ السلام کے علم کو زید وبکر و بہائم ومجانین کے علم کے برابر سمجھے یا کہے وہ قطعاً کافر ہے۔'' (مولانا خلیل احمد انبیٹھوی، المہنّد علی المفنّد، مطبوعہ کراچی، ص ۳۶)

(۲) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اپنے پیرومرشد مولانا نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۵۹ھ) کو امداد کے لیے پکارتے ہوئے لکھتے ہیں:

تم ہو اے نورِ محمد خاص محبوبِ خدا
ہند میں ہو نائبِ حضرت محمد مصطفیٰ
تم مددگارِ مدد امداد کو پھر خوف کیا
عشق کی پُرسن کے باتیں کانپتے ہیں دست وپا
اے شہِ نورِ محمد وقت ہے امداد کا
آسرا دُنیا میں ہے از بس تمھاری ذات کا

(شمائل امدادیہ، ص ۸۳، امداد المشتاق الی شرف الاخلاص، ص ۱۱۶)

(۳) مولوی محمد قاسم نانوتوی (۱۲۴۸ھ-۱۲۹۷ھ) بانی مدرسہ دیوبند 'قصائد قاسمی' کے ص ۵، ۸ پر لکھتے ہیں:

مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا
نہیں ہے قاسمِ بے کس کا کوئی حامی کار
مگر کرے مری رُوح القدس مددگاری
تو اُس کی مدح میں میں بھی کروں رقم اشعار
جو جبرئیل مدد پر ہو فکر کی میرے
تو آگے بڑھ کے کہوں اے جہان کے سردار

(۴) ''کوئی ضعیف الایمان بھی ایسی خرافات زبان سے نہیں نکال سکتا اور جو اس کا قائل ہو کہ نبی کریم علیہ السلام کو ہم پر اتنی ہی فضیلت ہے جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے تو اس کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ دائرۂ ایمان سے خارج ہے۔'' (المہنّد علی المفنّد، ص ۲۸)

(۵) اکابر علمائے دیوبند اس سلسلے میں اس قدر آگے بڑھ گئے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو مشکل کشا مانتے ہیں:

کھول دے دل میں درِ علمِ حقیقت میرے رب
ہادیِ عالم علی مشکل کشا کے واسطے

[(الف) حاجی امداد اللہ' کلیاتِ امدادیہ' ص ۱۰۳ (ب) مولانا اشرف علی تھانوی، 'تعلیم الدین' ص ۱۷۱ (ج) مولوی حسین احمد مدنی 'سلاسل طیبہ' ص ۱۴]

(۶) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی یوں استمداد کرتے ہیں:

یا رسولِ کبریا فریاد ہے
یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے
سخت مشکل میں پھنسا ہوں آج کل
اے مرے مشکل کشا فریاد ہے

(نالۂ امدادِ غریب، ص ۴-۵)

(۷) ''ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس کا قائل ہو کہ فلاں کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے، وہ کافر ہے۔'' (المہنّد علی المفنّد، ص ۳۲)

(۸) ''ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں نبی کریم علیہ السلام سے اعلیٰ ہے، وہ کافر ہے۔ اور ہمارے حضرات اُس کے کافر ہونے کا فتویٰ دے چکے ہیں، جو یوں کہے کہ شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے پھر بھلا ہماری کسی تصنیف میں یہ مسئلہ کہاں پایا جا سکتا ہے؟'' (ایضاً، ص ۳۰)

(۹) ''انبیا علیہم السلام معاصی سے معصوم ہیں۔ اُن کو مرتکبِ معاصی سمجھنا (العیاذ باللہ) اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ نہیں۔ اُس کی وہ تحریر خطرناک بھی ہے اور عام مسلمانوں کو ایسی تحریرات کا پڑھنا جائز بھی نہیں۔'' **فقط واللّٰہ اعلم**۔ (سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیوبند)

جواب صحیح ہے۔ ایسے عقیدے والا کافر ہے۔ جب تک وہ تجدیدِ ایمان اور تجدیدِ نکاح نہ کرے اُس سے قطعِ تعلق کریں۔ (مسعود احمد عفا اللہ عنہ، دار الافتا، فی دیوبند، الہند، فتویٰ نمبر ۴۱)

(۱۰) ''(محمد بن) عبدالوہاب کے تابعین نجد سے نکل کر حرمین شریفین پر متغلّب ہوئے۔ اپنے کو حنبلی مذہب بتلاتے تھے، لیکن ان کا عقیدہ یہ تھا کہ بس وہی مسلمان ہیں، اور جو اُن کے عقیدہ کے خلاف ہو وہ مشرک ہے۔ اور اسی بنا پر انھوں نے اہلِ سنت اور علمائے اہلِ سنت کا قتل مباح سمجھ رکھا تھا۔ یہاں تک

کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی شوکت توڑ دی۔اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ عبدالوہاب اور اُس کا تابع کوئی شخص بھی ہمارے کسی سلسلۂ مشائخ میں نہیں ہے، نہ تفسیر وفقہ وحدیث کے علمی سلسلہ میں نہ تصوف میں۔'' (المہند علی المفند ،ص ۲۲)

(۱۱) ''وہابی اماموں کے پیچھے نماز پڑھنا ہمارے نزدیک بھی مکروہ ہے اور حرمین شریفین طیبین میں بدرجۂ مجبوری یہ کراہت کرنا پڑتی ہے جبکہ پاکستان میں اس کی ضرورت نہیں۔یہ اس لیے ضروری ہے کہ کہیں اہل سنت وجماعت کے لوگ ہم دیوبندیوں کو بھی وہابی نہ کہنے لگیں جبکہ درحقیقت ہم وہابی نہیں ہیں۔'' (ابوالحسنات محمد ولی اللہ فروانی جدونی ،فتویٰ دارالافتادارالعلوم کراچی ، بحوالہ ہفت روزہ 'الفتح' ، کراچی ، ۲۸ مئی تا ۴ رجون ۱۹۷۶ء ،ص ۲۱ ،)

(۱۲) ''عقائد اس جماعت (وہابیین) کے جبکہ خلاف جمہور اہل سنت ہیں تو بدعتی ہونا ان کا ظاہر ہے اور مثل تجسیم اور تحلیل چار سے زیادہ ازواج کے اور تجویز تقیہ اور برا کہنا سلف صالحین کا فسق یا کفر ہے تو اب نماز اور نکاح اور ذبیحے میں ان کے احتیاط لازم ہے۔ جیسے روافض اور خوارج کے ساتھ احتیاط چاہیے۔'' حررہ محمد یعقوب النانوتوی عفا عنہ القوی ، رشید احمد گنگوہی عفی عنہ ، ابوالخیرات سید احمد عفی عنہ ، محمود حسن عفا اللہ عنہ ، محمد محمود دیوبندی ، غلام رسول ، محمد مظاہر الحق ، محمد حسن ، محمد عزیز الرحمٰن (محمد عبدالعلی مدراسی: فتح المبین ، مطبوعہ اصح المطابع لکھنؤ ۱۸۹۶ء ،ص ۴۶۶)

(۱۳) ''حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے متعدد فتاویٰ میں یہ تصریح فرمائی کہ جو شخص ابلیس لعین کو رسولِ مقبول علیہ السلام سے اعلم اور اوسع علما کہے وہ کافر ہے۔'' (مولوی حسین احمد مدنی: الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب ، مطبوعہ دیوبند ،ص ۱۸۸)

(۱۴) (الف) **ان اللغة العربية حاكمة بان معنى خاتم النبيين فى الآية هو آخر النبيين لاغير** . بیشک زبان عربی کا اٹل فیصلہ ہے کہ آیت کریمہ کے اندر خاتم النّبیین کا معنی صرف آخرالانبیا ہے ، دوسرا کوئی معنی نہیں۔'' (مولانا محمد شفیع ، سابق مفتی مدرسہ دیوبند ، ہدایۃ المہدیین ،ص ۲۱)

(ب) **اجمعت عليه الامة فيكفر مدعى خلافه ويقتل ان عصر** . امت محمدیہ کا یہ خاتم النّبیین کے اس معنی پر اجماع واتفاق ہے ، لہٰذا خاتم النّبیین کا دوسرا معنی گڑھنے والا کافر ہے اور اصرار کرے تو قتل کیا جائے۔'' (ایضاً ،ص ۳۵)

(۱۵) ''حاشا ہم تو کیا کوئی مسلمان بھی ایسا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ شریفہ کا آپ کے جوتوں کے غبار اور آپ کی سواری کے گدھے کے پیشاب کا تذکرہ بھی قبیح و بدعتِ سیئہ یا حرام کہے ، وہ جملہ حالات جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ذرا بھی علاقہ ہے اُن کا ذکر ہمارے نزدیک نہایت پسندیدہ اور اعلیٰ درجہ کا مستحب ہے۔خواہ ذکرِ ولادت شریف ہو یا آپ کے بول وبراز اور نشست وبرخاست اور بیداری و خواب کا تذکرہ ہو۔ہم اور ہمارے اکابر حضور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پاپوش مبارک کی بھی اہانت کو موجب کفر سمجھتے ہیں۔'' (المہند علی المفند ،ص ۳۶-۳۷-۴۱)

(۱۶) ''ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک دعاؤں میں انبیا و صلحا و اولیا و شہدا و صدیقین کا توسّل جائز ہے ، اُن کی حیات میں ہو یا بعد وفات بایں طور کہ کہے یا اللہ! میں بوسیلہ فلاں بزرگ کے تجھ سے دعا کی قبولیت اور حاجت برآری چاہتا ہوں۔یا اسی جیسے اور کلمات کہے۔'' (ایضاً ،ص ۱۴-۱۵)

(۱۷) ''ہمارے نزدیک ، ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دُنیا کی سی ہے بلا مکلّف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیا علیہم السلام اور شہدا کے ساتھ۔یہ حیات برزخی نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو۔'' (ایضاً ،ص ۱۶)

(۱۸) ''قبر کی وہ مٹی جس نے جسدِ اطہر کے ساتھ مَس کیا اور جسم مبارک سے لگ گئی ، اس کا مرتبہ علمائے دیوبند کے نزدیک عرشِ اعظم سے بھی زیادہ ہے کیونکہ عرش محض اللہ تعالیٰ کی تجلیات اور اس کے انوار کا مسکن ہے۔قبر اور اس کی اندرونی خاک تا قیامت آپ کا مکان اور پرانوار بابرکت مدفن ہے۔'' (حافظ محمد یعقوب مظاہری ، صدائے حق ، مطبوعہ کتب خانہ مجیدیہ ، ملتان ، ۱۹۷۹ء ،ص ۱۵۸-۱۵۹)

(جاری)

حکیم محمود احمد برکاتی (کراچی، پاکستان) کا سانحۂ ارتحال

برصغیر کے معروف عالم دین ومحقق اور سلسلۂ خیرآباد کے نامور فاضل حضرت مولانا حکیم سید محمود احمد برکاتی صاحبزادہ سید برکات احمد ٹونکی ۲۶ رصفر ۱۴۳۴ھ مطابق ۹ رجنوری ۲۰۱۳ء کو پاکستانی وقت کے مطابق دن کے ۱۲ بجے ان کے مطب میں گھس کر دو نامعلوم شرپسندوں نے گولی مار کر شہید کر دیا۔اناللہ و انا الیہ راجعون. اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریق رحمت فرمائے اور درجات بلند کرے۔

مولانا اُسید الحق محمد عاصم قادری خانقاہِ قادریہ بدایوں کے ذریعہ جیسے ہی یہ خبر ڈاکٹر نوشاد عالم چشتی کو موصول ہوئی ادارہ ماہِ نور میں مجلس ایصالِ ثواب اور مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کی گئی۔(ادارہ)